حکومت پاکستان کی وزارت اطلاعات سے باقاعدہ منظور شدہ
ماہنامہ
آبِ حیات
لاہور
جلد ۲۰ شمارہ ۸ اگست ۲۰۲۰ء
زیرِ نگرانی
حضرت مولانا قاری عبدالسلام حدوٹی عباسی
مہتمم دارالقرآن جامعہ آلِ علیوٹ مری
مدیرِ اعلیٰ
مولانا محمود الرشید حدوٹی عباسی
شاہ ڈاکٹر عبدالمقیم صاحب دامت برکاتہم
مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب
قیمت فی شمارہ 20 روپے
سالانہ 350 روپے
ملنے کا پتہ
ادارہ آبِ حیات ٹرسٹ
غوث گارڈن 2 جی ٹی روڈ مناواں لاہور کینٹ
0300-0321-9458876
Mahmoodhadoti@gmail.com

ماہنامہ آب حیات لاہور (اگست ۲۰۲۰ء)

عنوان	مصنف	صفحہ
قومی اسمبلی اور اسلام (اداریہ)	محمود الرشید حدوٹی	۳
اسلام آباد میں مندر کی تعمیر	علامہ نوید مسعود ہاشمی	۹
مٹی کی ڈھیری	ڈاکٹر صفدر محمود	۱۳
عقل و فہم اور خوش اخلاقی	ڈاکٹر عبد القدیر خان	۱۷
گورنر پنجاب، اسپیکر پنجاب اور سندھ اسمبلی	انصار عباسی	۲۱
ترکی: آیا صوفیہ میں گونجتی اذان	اوریا مقبول جان	۲۴
افریقی ممالک: پانی پر جھگڑا	سعود عثمانی	۲۹
جمہوریت پسند بدمعاش	پروفیسر مظفر بخاری	۳۴
نسل پرستی اور اسلام	محترمہ ردا بشیر	۵۰
انداز گفتگو اور بولنے کا سلیقہ	عمیر حسین	۳۸
بچوں میں شوق مطالعہ	رابعہ شیخ	۴۱
نادان کی دوستی	مولانا جلال الدین روم	۴۵
(۱۶) آنے کی رشوت	قدرت اللہ شہاب	۴۸
مولانا پیر عزیز الرحمان ہزاروی کا سانحہ ارتحال	محمود الرشید حدوٹی	۵۴
اسلام میں تفریح	ڈاکٹر حافظ محمد اشفاق	۶۳

مسلم لیگی رکن قومی اسمبلی خواجہ آصف ولد خواجہ محمد صفدر نے قومی اسمبلی میں اپنے خطاب کے دوران ایسے الفاظ استعمال کیے جس سے پاکستان سمیت دنیا بھر کے مسلمانوں کے اسلامی اور دینی جذبات مجروح ہوئے، خواجہ آصف نے کہا کہ دنیا کے کسی مذہب کو دوسرے مذہب پر فوقیت نہیں ہے، اسلام اور تمام مذاہب برابر ہیں، انہوں نے یورپ کے ایک چرچ میں نماز عید پڑھنے کا بھی ذکر کیا۔

خواجہ آصف کی تقریر کے جواب میں متحدہ مجلس عمل کے رکن قومی اسمبلی جناب مولانا عبدالاکبر چترالی نے نقد جواب دیا، اسی طرح جمعیت علماء اسلام کے ایک رکن قومی اسمبلی حضرت مولانا عبدالشکور صاحب نے بھی نقد حساب چکایا، اہل حدیث عالم سینیٹر ساجد میر اور دوسرے عمائدین نے بھی اپنی اپنی جگہ پر خواجہ آصف کی اس تقریر پر اپنے ردعمل کا برملا اظہار کیا۔

مگر دکھ اور افسوس کی بات یہ ہے کہ خود مسلم لیگ پاکستان کے مرکزی عمائدین نے خواجہ آصف کی اس جسارت کا کسی قسم کا نوٹس نہیں لیا، حالانکہ یہ لوگ جماعتی قیادت کے خلاف جسارت کرنے والوں اور خفیہ طور پر دوسرے کیمپ کے لوگوں سے ملنے پر نوٹس جاری کردیتے ہیں، مگر قومی اسمبلی میں اسلام کی اس قدر توہین کی گئی اس پر کوئی نوٹس نہیں لیا گیا، اسی طرح قومی اسمبلی میں موجود دیگر لوگوں اور دیگر جماعتوں نے بھی چپ سادھ رکھی اور کسی قسم کا ردعمل ظاہر نہیں کیا۔

حالانکہ اسمبلی میں ان جماعتوں کے قائدین کے خلاف کی جانے والی لب کشائی پر ہر کوئی ایک دوسرے سے بڑھ کر شاہ سے زیادہ شاہ کاوفادار بننے کی کوشش کرتے ہوئے اینٹ کا جواب پتھر سے دینے تک پہنچ جاتا ہے، مگر اسلام کی مظلومیت کا یہ عالم ہے کہ اس کے خلاف جو کوئی ہرزہ سرائی اور یاوہ گوئی کرتا رہے کسی کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔اناللہ وانااليہ راجعون

خواجہ آصف کہتے ہیں کہ کسی مذہب کو کسی مذہب پر کوئی فوقیت نہیں ہے، حالانکہ ان کی یہ بات قرآن وسنت اور اسلامی تعلیمات کے بالکل خلاف ہے، اسلام، پیغمبر اسلام، کتاب اسلام، امتِ اسلام سب کو باقی سب پر فوقیت حاصل ہے، اسلام ہی وہ دین ہے جس کو سچا دین قرار دیا گیا، اسلام ہی وہ دین ہے جسے دین ہونے کا شرف ملا، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی سورۃ آل عمران میں ارشاد فرمایا

إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ [آلِ عِمْرَانَ: ١٩]

بے شک سچا دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔

دین موسوی، دین عیسوی اور دیگر ادیان کو یہ نسبت نہیں دی گئی، نسبت کے ساتھ کسی چیز کی حیثیت تبدیل ہو جاتی ہے، ادیان اور بھی ہوں گے اور تھے مگر دین اسلام واحد دین ہے جس کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف کی ہے، یہ اللہ کا دین ہے، یہ سلامتی کا دین ہے، یہ امن و شانتی کا دین ہے، خانہ کعبہ کی نسبت جب اللہ کی طرف ہوئی تو اسے بیت اللہ کہا گیا، اس کی عظمت کو چار چاند لگ گئے، اسلام کے عالی شان پیغمبر، آقائے نامدار، تاجدار مدینہ، مراد المشتاقین، راحۃ للعاشقین، سپہ سالار بدر و حنین، جد الحسن والحسین، صاحب لولاک، صاحب براق، نبی پاک ﷺ اسی اسلام کا پیغام لے کر آئے، جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا

وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلامِ دِيناً فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ [آلِ عِمرَانَ: ۸۵]

جو اسلام کے علاوہ کسی دین کو تلاش کرے گا وہ ہر گز اس سے قبول نہیں کیا جائے گا۔

یہاں لبرل بننے اور اپنے کو لبرل دکھانے کی ایک دوڑ لگی ہے، یہود و نصاریٰ کی آنکھوں کا تارا بننے کے لیے اسلام کو بازیچہ اطفال بنایا جارہا ہے، یہی منافقین کا معاملہ تھا کہ جب وہ مسلمانوں کے پاس جاتے تو انہیں کہتے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں، جب کفار کے پاس جاتے تو بر ملا، علی الاعلان کہتے تھے کہ ہماری خلت اور دوستی تو تمہارے ساتھ ہے، ہم مسلمانوں کے ساتھ ٹھٹھا اور مزاح کرتے ہیں۔

ابھی گزشتہ ماہ ہی قومی اسمبلی میں وزیر اعظم پاکستان عمران خان نے خواجہ آصف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ وہ شخص ہے جو یورپین کے سامنے جا کر کہتا ہے کہ عمران خان لبرل نہیں ہے اور ہم لوگ لبرل ہیں، یہ بات وہی شخص کہہ سکتا ہے جسے اپنے مسلمان ہونے پر شک ہو اور وہ مسلمان ہونے کو اعزاز کی بجائے بوجھ سمجھے، مفاداتی سیاست میں اپنے کو مسلمان ثابت کرنا اور دل ودماغ کی دھڑکنیں اغیار کے کاشانوں اور مے خانوں میں دھڑکیں تو اسی کو نفاق کا اعلیٰ درجہ کہا جاتا ہے۔

خواجہ آصف کے خلاف سوشل میڈیا پر ایک طوفان برپا ہے، لوگ سیخ پا ہیں، خواجہ آصف کی انہی یاوہ گوئیوں اور ہرزہ سرائیوں پر سیالکوٹ کے ایک جلسہ میں ایک غیرت مند مسلمان نے سیاہی کی بھری دوات اس کے منہ پر انڈیل دی تھی، جس سے اس کے اجلے کپڑے اور دھلا منہ کالا ہو گیا تھا، اب پھر اس نے پرانی تاریخ دھرائی ہے، اس نے مسلمانوں کے ملی اور دینی جذبات کو مجروح کیا ہے۔

خواجہ آصف نے کہا کہ کسی مذہب کو کسی مذہب پر فوقیت نہیں ہے، سب برابر ہیں، بھلا وہ ایسی بات کس دلیل و منطق سے کہہ رہے ہیں، جب کہ اسلام کو سارے

ادیانِ عالم پر برتری اور فوقیت حاصل ہے،اسلام وہ دین ہے جس کو اللہ نے مکمل کیا، اسلام وہ دین ہے جس کو اللہ نے اپنی نعمت قرار دیا،اسلام وہ دین ہے جسے اللہ نے اپنے آخری اور اپنے لاڈلے حبیب ﷺ کے لیے پسند فرمایا۔

اسلام ہی وہ دین ہے جسے ایمان وایقان سے تعبیر کیا گیا(الذاریات ۳۶،۳۵) اسلام ہی وہ دین ہے جسے صراط اللہ (اللہ کی راہ) قرار دیا گیا(شوریٰ ۵۳)اسلام ہی وہ دین ہے جسے نور اللہ اور کلمۃ اللہ کہا گیا(الصف ۸)اسلام ہی وہ دین ہے جسے ہدایت قرار دیا گیا،(الانعام ۸۸)اسلام ہی وہ دین ہے جسے عروۃ الوثقیٰ قرار دیا گیا (لقمان ۲۲)اسلام ہی وہ دین ہے جسے حبل اللہ (اللہ کی رسی) قرار دیا گیا(آل عمران ۱۰۳) اسلام ہی وہ دین ہے جسے صبغۃ اللہ اور فطرۃ اللہ سے تعبیر کیا گیا۔

متکلم اسلام امام رازی فرماتے ہیں کہ اسلام ہی سچا دین ہے، کیونکہ یہ اللہ کی وحدانیت کا درس دیتا ہے،جب اسلام سچا ہے اور باقی ادیان جھوٹ پر مبنی تعلیمات کے علمبردار ہیں تو اہل عقل ودانش کے نزدیک اسلام ہی کو باقی ادیان پر فوقیت حاصل ہوئی کیونکہ سچ اور سچائی کا علم ہی بلند ہونے کے لیے ہے۔

یہی بلندی اسلام کو باقی ادیان پر فوقیت دیتی ہے،آپ کہتے ہیں کہ کسی مذہب کو کسی پر کوئی فوقیت نہیں ہے، یہ جملے ایک رکن قومی اسمبلی کی زبان سے صادر ہونا بڑی جسارت اور ڈھٹائی ہے،انہیں فوری طور پر توبہ تائب ہونا چاہیے اور جس دیدہ دلیری سے انہوں نے یہ ہرزہ سرائی کی کہ تمام ٹی وی چینلز نے اسے نشر کیا،عالمی ذرائع ابلاغ نے اسے پھیلایا، پوری دنیا میں اسلام اور اہل اسلام کے خلاف منفی پیغام گیا ہے، جس طرح انہوں نے یہ جسارت اور بے باکی اسمبلی فلور پر دکھائی ہے اس کی تردید بھی اسی جیسے فورم اور فلور پر ہوسکتی ہے ورنہ توہین اسلام اور توہین مذہب کے

زمرے میں انہیں لایا جاسکتا ہے اور اپنی اس دیدہ دلیری کے وہ خود ذمہ دار ہیں۔

خواجہ آصف کی اس جسارت کے خلاف قمر ریاض ایڈووکیٹ نے تھانہ ظفروال تحصیل نارووال میں ایف آئی درج کروائی ہے، جس میں درخواست گزار نے لکھا کہ میں ۹ جولائی ۲۰۲۰ء میں قومی اسمبلی کے اجلاس کی کارروائی براہ راست دیکھ رہا تھا جس میں میں نے سنا اور دیکھا کہ خواجہ محمد آصف ولد خواجہ محمد صفدر ممبر نیشنل اسمبلی حلقہ سیالکوٹ خطاب کر رہا تھا، جس نے اپنی تقریر میں یہ الفاظ کہے کہ "دنیا کے کسی بھی مذہب کو دوسرے مذہب پر فوقیت حاصل نہ ہے اسلام اور تمام مذاہب برابر ہیں اس کے یہ الفاظ قرآن وسنت کے بالکل منافی ہیں اور توہین مذہب اسلام کے زمرے میں آتے ہیں، شریعت کی رو سے یہ ایک سنگین جرم ہے، جس میں تمام عالم اسلام کی توہین کی گئی ہے، موصوف نے کلمہ گو مسلمانوں اور مشرکوں کو برابری کا درجہ دیا ہے۔

اللہ نے فرمایا ہے کہ "اللہ نے تمہارے لیے دین اسلام کو پسند فرمایا ہے" قرآن پاک میں ارشاد باری ہے ان الدین عند اللہ الاسلام، یقیناً دین اللہ کے نزدیک تو صرف اسلام ہے، قرآن پاک میں ایک دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، جس کا ترجمہ یہ ہے جو کوئی اسلام کے سوا کسی اور دین کو قبول کرے گا وہ اس کی جانب سے قبول نہیں کیا جائے گا، درج بالا قرآنی آیات کی روشنی میں خواجہ محمد آصف نے مذہب اسلام کی توہین کی ہے، قرآن پاک کی توہین کی ہے اور تمام مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کیا ہے، لہذا ملزم مذکور کے خلاف توہین مذہب اور توہین قرآن کی 295A اور 296A دفعات شامل کر کے مقدمہ درج کیا جائے، ملزم مذکور کو گرفتار کیا جائے۔

قومی اسمبلی جس میں تین سو سے زیادہ مسلم اور غیر مسلم اراکین بیٹھے ہوئے ہیں اس عمارتِ پر شکوہ پر جلی حروف کے ساتھ کلمہ طیبہ لکھا ہوا دکھائی دیتا ہے جو خواجہ آصف جیسے لوگوں کی توجہات اپنی جانب مبذول کرواتا ہے، یہ کلمہ اسلام ہے کم از کم اس عبارت کی اس عمارت کے اندر لاج رکھ لی ہوتی، مگر جس جرأت اور ڈھٹائی سے انہوں نے اغیار کو خوش کرنے کے لیے اسلام کی توہین کی اس کی ان سے توقع نہیں کی جاسکتی تھی، کیونکہ وہ ایک ایسی جماعت کے اہم راہنما ہیں جس کے شروع میں مسلم لکھا ہوا ہے، کم از کم اور کچھ نہیں تو اپنی جماعت کے اس مقدس لفظ کی ہی لاج رکھ لی ہوتی، مگر افسوس کہ ایسا نہیں کیا گیا۔

خواجہ آصف کو یہ بات ذہن نشین کرلینا چاہیے کہ گزشتہ کچھ عرصہ میں اہلِ جُنوں نے ان کے اُجلے دھلے کپڑوں اور ان کے چہرے پر سیاہی کی دوات انڈیلی تھی اب کی بار وہ کافی آگے نکل گئے ہیں، اب مسلمان ان کے خلاف عدالتی کارروائی کے ساتھ ساتھ تادیبی کارروائی بھی کریں گے، اس لیے ان کے سیاسی مستقبل کے لیے یہی مناسب ہے کہ وہ اپنے ان الفاظ کو واپس لیں، اسمبلی فلور پر اسی طرح معذرت کریں جس طرح انہوں نے یہ الفاظ کہے تھے ورنہ قبر تک مسلمان ان کا پیچھا کریں گے۔ اللہ ہدایت عطا فرمائے، اللہ غیرت دے، اسلامی حمیت بیدار کرے۔ آمین

خادم اسلام محمود الرشید حدوٹی عباسی

۱۲ جولائی ۲۰۲۰ء بروز اتوار بوقت سوا بارہ بجے دن

لو وہ بھی پوچھتے ہیں کہ "ہجوم بڑا کہ آئین"؟ ارے صاحب! اپنے دل سے پوچھئے کہ جس آئین نے ختم نبوت کے منکر گروہ قادیانیوں کو کافر اور غیر مسلم قرار دیا ہے، وہ کون سا مٹھی بھر "گروہ" ہے کہ جو قادیانی ٹولے کو زبردستی اسلام اور مسلمانوں کی صفوں میں شامل کر کے فساد پھیلانے پر ہر وقت آمادہ رہ کر "آئین" سے بڑا بننے کی کوشش کرتا ہے؟

اسلام آباد میں مندر کی تعمیر اگر ہندو برادری کی ضرورت ہوتی تو ممکن ہے کہ چوہدری پرویز الٰہی سمیت کوئی مسلمان بھی اس کی مخالفت میں آواز بلند نہ کرتا، لیکن جب ملعون گوہر شاہی کے خلیفہ ملعون یونس گوہر کا، یہ وڈیو کلپ سوشل میڈیا پر وائرل ہو گا جس میں وہ اپنے گمراہ مریدین کے سامنے، عمران خان کو ایک دیانتدار شخص قرار دیتے ہوئے کہتا ہے، کہ نعوذ باللہ "ہم خانہ کعبہ کے زر خرید غلام نہیں ہیں، یہ "ملٹی فیتھ میگا پروجیکٹ" ہے، جس کے تحت پاکستان میں بڑے بڑے مندر، بڑے بڑے چرچ اور یہودیوں کی عبادت گاہیں تعمیر کی جائیں گی، ملعون یونس گوہر اس وڈیو کلپ میں یہ انکشاف بھی کرتا ہے، ان بڑے بڑے مندروں، چرچوں اور یہودی عبادت گاہوں کی تعمیر کے لئے فنڈز سٹیٹ یعنی ریاست فراہم کرے گی،

بے غیرت اور لعنتی یونس گوہر اس وڈیو کلپ میں بیت اللہ کو گالی بھی بکتا ہے۔

اسلام آباد میں مندر کی تعمیر کا معاملہ اتنا سادہ بھی نہیں ہے کہ لبرل شدت پسند لکھاریوں کا گروہ اپنے کالموں اور تجزیوں میں جتنا "سادہ" بنا کر اسے پیش کر رہا ہے، لنڈے کے یہ لبرلز، مسلمانوں کی طرف سے اسلام آباد میں مندر کی تعمیر کی مخالفت سے اس قدر بوکھلائے ہوئے ہیں کہ اسلام آباد میں مندر کی تعمیر کے معاملے کو کبھی بابری مسجد اور کبھی ہندوستان کی دیگر مساجد کے ساتھ نتھی کر کے دیکھتے ہیں، کبھی اس بات سے ڈراتے ہیں کہ اگر اسلام آباد میں مندر کی تعمیر کو روکا گیا، تو ہندوستان کی مساجد کو خطرات لاحق ہو جائیں گے۔

ارے بھائی ۷۲ برس ہو گئے پاکستان کو معرض وجود میں آئے، ان ۷۲ برسوں میں انڈیا میں ہندو شدت پسندوں نے اپنی فوج اور حکومتوں کے تعاون سے سینکڑوں مساجد کو شہید کیا، ہزاروں مسلمانوں کا قتل عام کیا، بابری مسجد کا مقدمہ تو وہ مشہور زمانہ ہے کہ جس میں واضح طور پر نظر آیا کہ صرف بھارتی فوج، حکومت یا میڈیا ہی نہیں... بلکہ بھارتی سپریم کورٹ بھی مسلمانوں کی دشمن ہے۔

شیخ الاسلام مفتی تقی عثمانی، مفتی منیب الرحمن، چوہدری پرویز الٰہی یا دیگر علماء اور مسلمانوں نے کب کہا کہ، آئین نے جو حقوق اقلیتوں کو دیئے ہیں وہ انہیں نہیں مانتے؟

اصل حقیقت تو یہ ہے کہ پاکستانی آئین کو جن، جن ڈکٹیٹرز یا سیاست دانوں اور حکمرانوں نے پامال کیا ان میں ۹۹ فیصد سیکولر اور لبرل تھے، پاکستانی علماء اور مذہبی طبقوں نے تو ہمیشہ نہ صرف یہ کہ آئین کو تسلیم کیا، بلکہ اسے ایک مقدس دستاویز بھی قرار دیا، لیکن لبرل شدت پسندوں کا اصل رونا ہی یہ ہے، کہ ہر دم منافقت پر آمادہ و

تیار رہتے ہیں... قادیانیوں کو اگر آئین کافر قرار دے، تو وہ آئین کے منکر ہو جاتے ہیں، آئین اگر پاکستان میں اسلامی اقدار کے احیاء کی بات کرے تو انہیں مرچیں لگنا شروع ہو جاتی ہیں، آئین اگر گستاخ رسول کو کڑی سزا دینے کی بات کرے تو ان کی چیخیں نکلنا شروع ہو جاتی ہیں، لیکن جب معاملہ آ جائے، ملٹی فیتھ میگا پروجیکٹ، کے تحت اسلام آباد میں مندر کی تعمیر کا، تو یہ فوراً آئین، آئین اور اقلیتوں کے حقوق کے نام کی ڈفلی بجانا شروع کر دیتے ہیں۔

جس عمران خان حکومت نے اپنی سوا دو سالہ حکومت کے دوران پاکستانی قوم سے کئے ہوئے سینکڑوں وعدوں میں سے ایک وعدہ بھی پورا نہیں کیا، وہ عمران خان کرتار پورہ میں سکھوں کے لئے نہ صرف اربوں روپے کی لاگت سے گوردوارہ تعمیر کرتے ہیں... بلکہ کرتار پورہ راہداری بھی کھولنے کا اعلان کر دیتے ہیں، وہیں پر وزیر خارجہ شاہ محمود قریشی چار سو مندروں کی تزئین و آرائش حکومتی خرچے پر کروانے کا اعلان کرتے ہیں۔

ممکن ہے کہ پاکستان میں بسنے والی اقلیتیں تو یہاں کے عوام سے خوش اور مطمئن ہوں، مگر مسئلہ تو ان لبرل اور سیکولر شدت پسندوں کا ہے، جو نہ مکمل اِن کے ہیں اور نہ اُن کے، بلکہ یہ جن کے ہیں، جب تک وہ راضی نہیں ہوں گے، یہ اسی طرح مسلمانوں کو طعنے اور گالیاں بکتے رہیں گے۔

طاغوت کے ان ہرکاروں کو، کوئی بتائے کہ قرآن مقدس کا فیصلہ ہے کہ یہود و نصاریٰ تم سے کبھی بھی راضی نہیں ہوں گے، یہاں تک کہ تم ان کی طرح ہی نہ ہو جاؤ، ارے بھائی! اگر تمہیں مسجدوں، مدرسوں، قرآن مقدس، پاکستان کے اسلامی تشخص اور نظریہ پاکستان سے اتنی ہی تکلیف ہے تو تمہیں کس نے کہا کہ تم مسلمانوں

کے سروں پر مسلط رہو، اگر تم خود بدل نہیں سکتے تو تمہیں قرآن، خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان تبدیل کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

ہم نے جس پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھا ہے، وہ دنیا کو بتوں سے پاک کرنے کے لئے تشریف لائے تھے، ہمیں مت بتاؤ کہ اسلام آباد میں مندر کی تعمیر کی مخالفت پر دنیا کیا کہے گی؟ کون سی دنیا؟ وہی دنیا کہ جو ساری مل کر بھی ایک معمولی سے وائرس یعنی کورونا کا مقابلہ نہ کر سکی؟ سیکولر شدت پسند یہ چاہتے ہیں کہ دنیا کی خاطر مسلمان اپنے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ناراض کرلیں؟

فتنہ گوہر شاہی کے "ملعونین" یاد رکھیں کہ پاکستان مسلمانوں کے ساتھ ساتھ یہاں بسنے والی اقلیتوں کا بھی ملک ہے، کوئی ایک بھی پاکستانی مسلمان ایسا نہیں ہے کہ جو پاکستان میں آئین کو تسلیم کرکے یہاں بسنے والی کسی اقلیت کا بھی مخالف ہو؟

یہاں بسنے والی ہندو برادری ہو، سکھ ہوں، عیسائی ہوں، یا دوسرے، ہم آئین میں درج ان کے حقوق ادا بھی کر رہے ہیں اور مرتے دم تک کرتے بھی رہیں گے، لیکن اسلام آباد میں مندر کی تعمیر کسی اقلیت کے حق کا معاملہ نہیں، بلکہ عالمی طاغوتی ایجنڈے کا حصہ ہے، جس پر بجا طور پر پوری قوم کو تحفظات ہیں۔) وماتوفیقی الا باللہ)
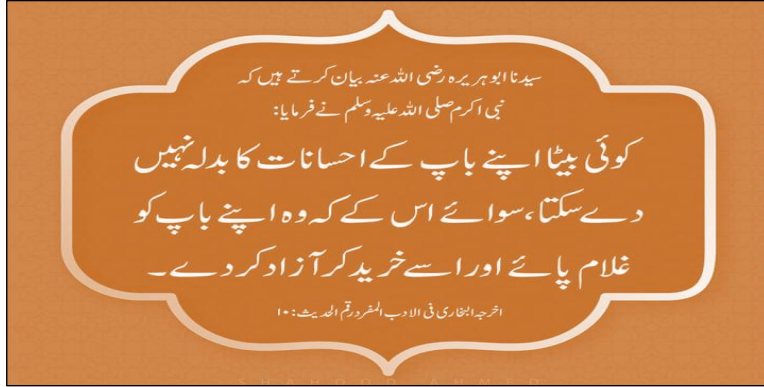
سچ تو یہ ہے کہ دھوپ چھائوں، غم خوشی، عروج زوال، بیماری و شفا زندگی کا ناگزیر حصہ ہیں۔ ہر لمحہ بدلتی زندگی نت نئے پیغام لاتی ہے۔ انسان ترقی کرتے کرتے ستاروں پہ کمندیں ڈالنے لگا ہے لیکن نہ اگلے دن کا علم رکھتا ہے اور نہ ہی اسے آنے والے لمحے میں پوشیدہ حقیقتوں کا ادراک ہوتا ہے۔

میں جب زندگی کی راہداریوں میں کل کے حکمرانوں، فرعونوں، صاحبانِ اقتدار اور قارونوں کو ٹھوکریں کھاتے، دھکے کھاتے اور زیر و زبر ہوتے دیکھتا ہوں تو مجھے ذرا بھی حیرت نہیں ہوتی کیونکہ تاریخ ایسی اَن گنت کہانیوں اور حادثات سے بھری پڑی ہے۔ ابھی کل کی بات ہے کہ ہم نے قذافی اور صدام حسین جیسے طاقتور آمروں کو تخت سے تختے تک جاتے دیکھا، ان کی فرعونیت اور غرور بھی دیکھا اور اُن کی لاچارگی والی موت بھی دیکھی۔

پرویز مشرف کو مکے لہراتے، طاقت کا گھمنڈ اور غرور کرتے بھی دیکھا اور جان بچانے کے لئے کمر درد کا ناٹک رچا کر ملک سے فرار ہوتے بھی دیکھا۔ یہ سب مناظر کل کے ہیں ورنہ تاریخ تو بہادر شاہ ظفر جیسے بادشاہوں کے عبرتناک انجام، بے بسی، جلاوطنی، دیارِ غیر میں سسک سسک کر موت کی کہانیاں سناتی ہے لیکن کیا کبھی کسی حاکم وقت نے یہ کہانیاں سنیں؟ دراصل اقتدار انسان کو اندھا اور بہرا کر دیتا ہے۔ وہ

ایسی کہانیاں نہ سنتا اور نہ ایسے مناظر دیکھتا ہے۔ اقتدار کی فطرت میں غرور، مطلق العنانی اور تمکنت ہوتی ہے۔ ہر اقتدار اپنی عظمت اور تعریف کے قصیدے سن سن کر یقین کر لیتا ہے کہ اس کا اقتدار ابدی ہے۔ یہیں سے زوال کا سلسلہ شروع ہوتا ہے جس کو صاحب اقتدار سمجھنے سے قاصر رہتا ہے۔

قدرت کا راز فقط اتنا سا ہے کہ زندگی میں ہر شے عارضی ہے، یہاں قیام بھی عارضی ہے اور دوام فقط تغیر کو حاصل ہے۔ قول صادق ہے کہ آپ کا اچھا وقت دنیا کو بتاتا ہے کہ آپ کون ہیں اور برا وقت آپ کو بتاتا ہے کہ دنیا کیا ہے۔ عجیب بات ہے کہ جب انسان کی آنکھیں کھلتی ہیں اور اسے پتا چلتا ہے کہ دنیا کیا ہے تو اس وقت دنیا اس کے ہاتھوں سے ریت کی مانند کسک رہی ہوتی ہے اور کبھی کبھی یہ منزل بھی آتی ہے کہ خود سایہ بھی انسان سے جدا ہونے لگتا ہے۔

کل تک بامِ ثریا پہ بیٹھے لوگوں کو اقتدار واختیار کا نشہ ہرن ہونے کے بعد آنکھیں ملتے دیکھتا ہوں اور زوال کی راہداریوں میں چلتے ہوئے ان کے چہروں پہ بے بسی کی بولتی تصویر دیکھتا ہوں تو احساس ہوتا ہے کہ اقتدار، دولت، شہرت اور عروج اپنے باطن میں ہمیشہ آزمائش لے کر آتے ہیں۔ دراصل یہ ہوتی ہی آزمائش ہے جسے ہم اپنی ملکیت اور اپنی لونڈی سمجھنے لگتے ہیں۔

سبحان اللہ بابا بلھے شاہ نے خوب انداز سے راز فاش کیا ہے "نہ کر بندیا میری میری، توں مٹی دی ٹیری (ڈھیری)۔ انسان بام عروج کے تخت پہ بیٹھا اور جوانی کے نشے میں بدمست ہو کر زمین پر زور زور سے پائوں "مارتے" ہوئے بھول جاتا ہے کہ وہ محض ایک مٹی کی "ڈھیری" ہے۔ جب ٹھوکر لگتی ہے تو یاس اور ناامیدی کی تصویر بنا فضائوں میں گھورتا رہتا ہے اور اپنے اُن حواریوں کو ڈھونڈتا ہے جو ہر لمحے

خوشامد سے اُس کی انا کی مالش کرتے تھے اور اُسے مافوق الفطرت ہونے کا یقین دلاتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان درباریوں کا آنا بھی آزمائش تھی اور ان کا منہ موڑ لینا بھی آزمائش ہے۔ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ انسان کو ہر حال میں آزماتے ہیں اور ضرور آزماتے ہیں۔

عروج، اختیار، اقتدار اور دولت دے کر بھی آزماتے ہیں اور ان تمام نعمتوں سے محروم کر کے غربت دے کر بھی آزماتے ہیں۔ غربت صرف دولت سے محرومی ہی کا نام نہیں، اقتدار، عروج، بالادستی اور دوستوں سے محرومی بھی غربت ہی کہلاتی ہے۔

زندگی کی دولت اور کامیابیوں کا ذکر کرتے ہوئے بابِ علم حضرت علیؓ کے یہ الفاظ زندگی کی سچائیوں پر روشنی ڈالتے اور منزل کی نشاندہی کرتے ہیں ''سب سے بڑی بہادری صبر ہے، سب سے بڑی بلا ناامیدی ہے، سب سے بڑی تفریح مصروفیت ہے، سب سے بڑا استاد تجربہ ہے، سب سے بڑا فائدہ نیک اولاد ہے، سب سے بڑا تحفہ درگزر ہے، سب سے بڑا سرمایہ خوداعتمادی ہے، سب سے بڑا راز موت ہے، سب سے بڑی دولت مخلص دوست ہے''۔

اکثر صاحبان اقتدار اور صاحبان جاہ و دولت ان نعمتوں سے محروم رہتے ہیں۔ اسی لئے اللہ پاک کی عطا کردہ یہ نعمتیں آزمائش ہوتی ہیں مگر بہت بڑی اکثریت اس آزمائش میں ناکام رہتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جب اقتدار، دولت، بھرپور صحت اور شہرت وغیرہ انسان کے صحن میں اترتی ہیں تو وہ انہیں ابدی اور ذاتی سرمایہ سمجھنے لگتا ہے اور اُن کی قدر و قیمت بھی فراموش کر بیٹھتا ہے۔ اگر اسے ان انعامات کی قدر و منزلت کا احساس ہو تو وہ سر سے پاؤں تک ''شُکر'' کی تصویر بن جائے لیکن ہم نے اکثر انعام یافتہ صاحبان کو ناشکرا ہی دیکھا ہے کیونکہ وہ رفتہ رفتہ یہ بھول جاتے ہیں کہ یہ نعمتیں اللہ پاک کی

طرف سے عطا ہوئی ہیں اور اس عطا کے کچھ تقاضے بھی ہیں۔ دینے والا چھین بھی سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان کو اقتدار کی اہمیت کا اندازہ اقتدار سے محرومی کے بعد، دولت کی اہمیت کا اندازہ غربت کا شکار ہونے کے بعد اور صحت کی نعمت کا اندازہ طویل بیماری کا شکار ہونے کے بعد ہوتا ہے۔ چھوٹا یا بڑا اقتدار عطا ہوتا ہے خدمت کے لئے۔

خدمت کا جذبہ سچا ہو تو ذاتی خواہشات اور حسین خوابوں کا ایثار کرنا پڑتا ہے۔ ذات کو پسِ پشت ڈال کر خدمت کو منزل بنایا جائے تو انسان آزمائش کی کٹھن وادی سے گزر کر سرخرو ہو جاتا ہے اور یہ سرخروئی انسان کی سب سے بڑی دولت اور سب سے بڑا سرمایہ ہوتا ہے اور قلبی تسکین و راحت کا باعث بنتا ہے۔ ٹھوکر اُس وقت لگتی ہے جب انسان ان تقاضوں کو فراموش کر کے مغرور ہو جاتا ہے۔

اگر انسان کی فطرت نیک ہو تو اس ٹھوکر کا مقصد اسے راہ راست پہ لانا اور اس کا رُخ خالق حقیقی کی جانب موڑنا ہوتا ہے۔ اس صورت میں یہ ٹھوکر انعام بن جاتی ہے اور انسان دنیا کی بے ثباتی دیکھ کر رضائے الٰہی کو زندگی کا مقصد اور منزل بنالیتا ہے۔ اگر انسانی فطرت ہوس و حرص کی تاریکی میں ڈوبی ہوئی ہو تو ٹھوکر بھی اس کا رخ نہیں موڑتی اور دنیا میں ذلت و خواری مقدر بن جاتی ہے۔ گویا ٹھوکر کسی کے لئے نعمت اور کسی کے لئے عذاب ثابت ہوتی ہے۔ ٹھوکر خواب غفلت سے بیدار کر دے تو نعمت ورنہ عذاب ہوتی ہے۔

اگر آپ تعلیم یافتہ ہیں تو یقیناً آپ کو علم ہو گا کہ عقل و فہم اور خوش اخلاقی کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ایک عقل و فہم والا شخص عموماً خوش اخلاق بھی ہوتا ہے۔ آیئے چند واقعات پر نظر ڈالتے ہیں جن میں عقل و فہم اور خوش اخلاقی کے اچھے نتائج سامنے آئے ہیں۔

خوش مزاج شہد فروش: ایک خوش مزاج آدمی شہد بیچا کرتا تھا۔ اس کی مٹھاس یعنی شیریں زبانی پر لوگ فریفتہ تھے۔ وہ گویا مصری تھی جو گنّے کی طرح کمربستہ تھی۔ اس کے گاہک مکھیوں سے بھی زیادہ تھے۔ یعنی اس کے اچھے رویے پر زیادہ تر لوگ اس سے شہد خریدتے اور اگر مثال کے طور پر وہ زہر بھی پیش کرتا تو لوگ اس کے ہاتھ سے شہد کی طرح کھا لیتے۔

ایک بدفطرت آدمی نے جب اس کے کاروبار کو دیکھا تو اس کی اس گرم بازاری پر اسے حسد آگیا۔ اگلے روز وہ شہر کے ارد گرد گھومتا رہا۔ اس حالت میں کہ شہد اس نے سر پر اُٹھایا ہوا تھا لیکن اس کے ماتھے پر شکن پڑی ہوئی تھی۔ وہ آگے پیچھے یعنی اِدھر اُدھر بڑی آوازیں لگاتا رہا (کہ شہد خرید لو) لیکن اس کے شہد پر مکھی تک نہ بیٹھی یعنی

ایک بھی گاہک اس کی طرف نہ آیا۔ آخر جب رات تک اسے کامیابی نہیں ہوئی تو وہ مایوس ہو کر ایک کونے میں بیٹھ گیا۔

اس کی حالت یہ تھی کہ وہ مجرم کی طرح سزا کے خوف سے منہ لٹکائے ہوئے اور عید کے دن قیدیوں کی طرح سر جھکائے ہوئے تھا۔ اس کی (زندہ دل) بیوی نے ہنسی مذاق میں اس سے کہا کہ ایک بدمزاج آدمی کیلئے شہد بھی کڑوا ہوتا ہے، بدمزاجی انسان کو دوزخ میں لے جاتی ہے، جبکہ خوش مزاجی کا تعلق ہی بہشت سے ہے۔ جا ندی کے کنارے گرم پانی پی، کسی بد فطرت کے ہاتھ سے ٹھنڈا (عرقِ) گلاب مت پینا، اس آدمی کے ہاتھ سے روٹی کھانا تو ایک طرف، روٹی چکھنا بھی حرام ہے، جس نے اپنے ابروؤں پر دستر خوان کی مانند تیور چڑھا رکھے ہوں۔ میاں! خود کو بلاوجہ خوامخواہ مصیبت میں نہ ڈال، اس لئے کہ ایک بدمزاج انسان ہی بدبخت ہوتا ہے۔

میں نے یہ تسلیم کر لیا کہ تیری نظروں میں سونے چاندی کی کوئی اہمیت و وقعت نہیں ہے، لیکن کیا سعدیؒ کی طرح تیرے لئے شیریں زبانی و خوش مزاجی بھی کوئی چیز نہیں ہے؟ گویا سعدیؒ میں تو یہ صفات ہیں، تجھ میں نہیں ہیں، تو یہ صفات اپنانے کی کوشش کر۔

بدخصلت غلام: ایک بزرگ اپنی ہنرمندی کے باعث دنیا بھر میں مشہور تھا، اس کا غلام بڑا ہی بداخلاق تھا، اس کی سستی و کاہلی کی وجہ سے اس کے بال چیلے چیلے رہتے جبکہ اس کے چہرے پر برائی کے آثار نمایاں تھے اور اس کے دانت اژدھے کی مانند زہر سے بھرے ہوتے، اپنی بدشکلی کی بنا پر وہ شہر کے بدصورتوں سے بازی لے گیا تھا، اس کی آنکھوں کی خرابی کے باعث اس کے چہرے پر پانی بہتا رہتا، جب وہ کھانا پکانے لگتا تو ماتھے پر تیوری چڑھانے لگتا اور جب پکا لیتا تو دستر خوان پر اپنے مالک کے

سامنے زانو ٹیک کر بیٹھ جاتا، لگاتار کھانا کھانے کے لئے بیٹھا رہتا اور اگر وہ (مالک) یا کوئی مر بھی جاتا تو بھی اسے پانی تک نہ دیتا، نہ تو اس پر کوئی بات ہی اثر کرتی اور نہ چھڑی سے مار پیٹ ہی کا وہ اثر لیتا، (اس کے اسی قسم کے رویے سے مالک کا) گھر دن رات بربادی کا شکار ہو رہا تھا، کبھی تو وہ کوڑا کرکٹ راستے میں ڈال دیتا اور کبھی کوئی مرغی کنویں میں پھینک دیتا، اس کے چہرے سے وحشت برستی تھی اور جب کسی کام پر جاتا تو کام انجام دیے بغیر لوٹ آتا۔

کسی شخص نے اس کے مالک سے کہا کہ ''تجھے اس بد خصلت غلام سے کس بات کی توقع ہے، کیا تو اس سے ادب کا طالب ہے یا ہنر اور خوبصورتی کا؟ اس کی اس قسم کی ناپسندیدہ عادتوں کی بنا پر اس کا یہاں (تیرے ہاں) رہنا مناسب نہیں ہے، اس لئے کہ تُو تو اس کی جفا برداشت کر رہا ہے اور اس کا بوجھ اٹھا رہا ہے، یعنی اس پر اچھا خاصا خرچ کر رہا ہے، میں تیرے لئے ایک اچھا اور نیک سیرت غلام لاتا ہوں تو اسے (بد خصلت غلام کو) منڈی میں لے جا، اگر وہ تھوڑی سی رقم پر بھی بک جائے تو فوراً بیچ ڈال، انکار نہ کر، اس لئے کہ اگر تو سچ پوچھے تو یہ مفت میں بھی مہنگا ہے۔

اس نیک فطرت آدمی یعنی غلام کے مالک نے جب اس شخص کی اس قسم کی باتیں سنیں تو وہ ہنس دیا اور بولا کہ ''اے عالی نسب دوست! ٹھیک ہے کہ یہ غلام بدمزاج و بد فطرت ہے، لیکن سچی بات یہ ہے کہ اس کے ایسے ہی رویے سے میری طبیعت میں اچھی عادت پیدا ہو رہی ہے، سو جب میں نے اس غلام کو برداشت کر لیا ہے تو میں دوسرے لوگوں کی جفا بھی برداشت کر سکتا ہوں۔ (یوں سمجھ لے کہ) تحمل و برداشت شروع شروع میں زہر کی مانند لگتا ہے لیکن جب یہ طبیعت میں بڑھتا چلا جاتا ہے تو شہد کی مانند ہو جاتا ہے، یعنی انسان ایسے سخت حالات کا عادی ہو جانے پر کسی بھی سختی سے ڈرتا اور گھبراتا نہیں اور یوں اس کی زندگی سکون سے گزرتی ہے۔

معروف کرخی : معروف کرخی (عراق کے شہر کرخ کے ایک ولی اللہ) کی راہ پر وہی شخص چل سکتا ہے جس نے پہلے شہرت کا خیال اپنے دماغ سے نکال دیا ہو، میں نے سنا ہے کہ ایک مرتبہ ان کے ہاں ایک مہمان آیا جس کی بیماری اور موت میں کچھ ہی فاصلہ رہ گیا تھا، یعنی بیماری کے سبب وہ قریب المرگ تھا۔

اس کے سر کے بال جھڑ چکے تھے اور چہرے کی چمک ختم ہو چکی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے اس کی جان اس کے بدن کے ساتھ ایک بال سے بندھی ہوئی ہے (بہت کمزور ہو چکا تھا)، (معروف کرخی نے) اسے رات وہاں لٹایا اور اس کے لئے تکیہ لگا دیا۔ اس (مریض مہمان) نے لیٹتے ہی آہ و فغاں شروع کر دی۔

راتوں کو وہ پل بھر کے لئے بھی نہ سوتا' اس کی اس آہ و زاری کے باعث دوسرے افراد بھی نہ سو سکے، وہ شخص پریشان طبع اور تلخ مزاج تھا، وہ خود تو نہیں مرتا تھا لیکن اپنی بحث و تکرار سے دوسروں کو مار رہا تھا' یعنی ان کا برا حال کر رکھا تھا، اس کے رونے اور فریاد و فغاں نیز بار بار اٹھنے بیٹھنے کے باعث لوگ اس سے بھاگ گئے۔ اس خانقاہ میں سوائے اس ضعیف اور معروف کرخی کے اور کوئی نہ رہا۔

میں نے سنا ہے کہ معروف کرخی اس شخص کی خدمت کی خاطر راتوں کو جاگتے رہے۔ وہ دلیروں کی طرح کمربستہ رہے اور جو کچھ وہ کہتا معروف کرخی وہ کر دیتے۔ ایک رات نیند نے ان پر حملہ کیا' یعنی انہیں نیند آگئی۔ (سیدھی سی بات ہے کہ) جو آدمی راتوں کو مسلسل جاگتا رہا ہو وہ بھلا کب تک اس بیداری کو برداشت کر سکتا ہے؟

گزشتہ دنوں چند ایسی خبریں پڑھنے کو ملیں جو بہت حوصلہ افزا ہیں، اس لیے سوچا کیوں نا انہیں اپنے قارئین سے شیئر کیا جائے، حکومتوں سے، پارلیمنٹ سے اور سیاسی جماعتوں سے بہت شکایات رہتی ہیں کہ پاکستان کے قیام کو ۷۳ سال ہو گئے لیکن ابھی تک قیامِ پاکستان کے اسلامی نظریہ کی تکمیل نہیں ہو سکی۔

ہم نے جس ملک کو ایک اسلامی فلاحی ریاست بنانا تھا وہ دہائیاں بیت جانے کے بعد بھی اپنے مقصد سے بہت دور ہے، آئین میں جو لکھا ہے اُس پر عمل درآمد نہیں ہوتا، خصوصاً آئین کی اسلامی شقوں کو تو جیسے بھلا دیا گیا ہو۔

ان حالات میں اگر کہیں سے خبر ملے کہ کسی حکومت، کسی اسمبلی یا کسی ریاستی ذمہ دار نے وہ کام کیا جو بہت پہلے ہو جانا چاہیے تھا تو اُس سے دل خوش ہوتا ہے اور جی چاہتا ہے کہ ایسا کرنے والوں کی بھرپور حوصلہ افزائی بھی کی جائے۔

ایک خبر کے مطابق پنجاب بھر کی یونیورسٹیوں میں قرآن پاک ترجمہ کے ساتھ پڑھانے کو لازمی قرار دینے کا نوٹیفکیشن جاری کر دیا گیا ہے، صوبائی حکومت کے فیصلہ کے مطابق پنجاب کی جامعات میں قرآن مجید کو ترجمہ کے ساتھ پڑھے بغیر ڈگری

نہیں ملے گی۔

اس فیصلہ کے پیچھے گورنر پنجاب چوہدری سرور کا اہم کردار ہے جنہوں نے صوبے بھر کی جامعات کے وائس چانسلرز سے مشاورت کے بعد قرآن پاک ترجمہ کے ساتھ یونیورسٹیز میں پڑھانے کا اعلان کیا، اب پنجاب کی تمام جامعات میں لیکچررز طلبہ کو ترجمہ کیساتھ قرآن پڑھائیں گے اور طلبہ کے لیے ان لیکچرز میں شرکت کرنا اتنا ہی لازمی ہوگا جتنا دیگر لیکچرز میں۔

یونیورسٹیوں میں قرآن مجید کا نصاب اسلامیات کے مضمون کے علاوہ پڑھایا جائے گا، اس فیصلہ کا اعلان کرتے ہوئے گورنر پنجاب نے درست کہا کہ قرآن مجید ہمارے لیے اصل رہنمائی کا ذریعہ ہے جس کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر ہی ہماری دنیا اور آخرت سنور سکتی ہے۔

پنجاب اسمبلی کا کارنامہ

پنجاب سے ہی ایک اور اچھی خبر پڑھنے کو ملی جس کا سہرا اسپیکر پنجاب اسمبلی چوہدری پرویز الٰہی کے سر جاتا ہے۔ خبر کے مطابق پنجاب اسمبلی کے ایک حالیہ اجلاس میں پیغمبر آخر الزماں حضرت محمد ﷺ، امہات المومنینؓ اور صحابہ کرامؓ کی شان میں گستاخی کو روکنے کے لیے اسپیکر پنجاب اسمبلی چوہدری پرویز الٰہی کی کوششوں سے ایک بل منظور کیا گیا ہے جس کے تحت ٹیکسٹ بک بورڈ کو پابند کیا گیا ہے کہ وہ اسلامی کتب کی اشاعت سے قبل متحدہ علماء بورڈ سے منظوری لے گا۔

اسپیکر چوہدری پرویز الٰہی نے بل کی منظوری پر گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ جو دین اللہ کے آخری نبی حضرت محمد ﷺ لے کر آئے ہیں، آئے روز اس کے خلاف سازشیں ہوتی ہیں، بالخصوص اسکولوں میں ہمارے بچوں اور بچیوں کو جو کتابیں پڑھائی جاتی ہیں، ان سے ان کے ذہن میں دین اسلام، خلفائے راشدین، اہل بیت اور

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے متعلق شکوک و شبہات پیدا کیے جاتے ہیں، اب وقت آگیا ہے کہ اس شر کے دروازہ کو ہمیشہ کیلئے بند کر دیں تا کہ ہماری آئندہ نسل ایسی سازشوں سے محفوظ رہے۔

سندھ اسمبلی کا کارنامہ

تیسری خبر کا تعلق سندھ سے ہے جس کے مطابق سندھ اسمبلی نے گزشتہ پیر کو اپنے اجلاس میں ایک تاریخی قرارداد متفقہ طور پر منظور کی جس میں نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ کے نام کے ساتھ لازمی طور پر خاتم النبیین لکھنے کی سفارش کی گئی ہے۔

یہ قرارداد ایم کیو ایم کے رکن صوبائی اسمبلی محمد حسین کی جانب سے پیش کی گئی تھی، محرک کا کہنا تھا کہ اللہ رب العزت نے نبوت کے دروازے ہمیشہ کے لیے بند کر دیے ہیں، اس لیے لازم قرار دیا جائے کہ حضرت محمد ﷺ کا نام جب اور جہاں کہیں لکھا جائے، اُس کے ساتھ خاتم النبیین ضرور تحریر کیا جائے، اس موقع پر قائد حزبِ اختلاف فردوس شمیم نقوی نے صوبائی حکومت پر زور دیا کہ اس قراداد کی روشنی میں قانون بنایا جائے۔

یہ تینوں اقدامات نہایت قابلِ تحسین ہیں اور ان اقدامات کے پیچھے محرک افراد قابلِ تعریف۔

لیکن ضرورت اس امر کی ہے کہ ایسے فیصلوں کا نفاذ کسی ایک صوبہ یا کسی ایک جگہ تک محدود نہیں رہنا چاہیے جس کے لیے میری وفاق، تمام صوبائی حکومتوں، گلگت بلتستان اور کشمیر کے حکمرانوں اور ذمہ داروں سے گزارش ہے کہ وہ اس بارے میں اپنی دینی اور آئینی ذمہ داری پوری کریں۔

قسطنطنیہ جسے آج کی دنیا استنبول کے نام سے جانتی ہے۔ سید الانبیاءﷺ کی زبانِ مبارک سے اس شہر کا ذکر کئی حوالوں سے ہوا ہے اور یہ آپﷺ کی پیش گوئیوں کی حقانیت کا امین ہے، یہ شہر آپﷺ کی پیش گوئیوں کے مطابق ۱۴۵۳ء میں فتح ہوا، لیکن اس عظیم شہر کے بارے میں باقی تمام احادیث اس بڑی جنگ ملحمتہ الکبریٰ سے متعلق ہیں جس میں یہ شہر، ایک بار پھر مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل جائے گا اور سیدنا امام مہدی کی فتوحات میں فتح ہونے والا آخری شہر یہی ہو گا۔

یہ قسطنطنیہ جو اس وقت استنبول کہلاتا ہے اس کی ایک عمارت آیا صوفیہ گذشتہ دو ہزار سال سے تاریخ کے لاتعداد مناظر دیکھ چکی ہے، آیا صوفیہ ۴۸۱ سال تک مسلمانوں کے سجدوں سے آباد رہی، لیکن ۱۹۳۱ء میں اتاترک نے اپنی اسلام دشمنی میں پہلے اس پر تالے لگائے اور پھر ۱۹۳۵ء میں اسے ایک عجائب گھر میں تبدیل کر دیا۔ اب دوبارہ اس کے میناروں سے اذان کی صدا بلند ہونیوالی ہے۔ (ہو چکی ہے، ح)

قسطنطنیہ کا شہر اور یہ عمارت ''آیا صوفیہ'' مسلمانوں کے عروج و زوال کی کہانی

توسناتی ہے لیکن ساتھ ساتھ عظیم بازنطینی رومی شہنشاہیت کے زوال کی بھی داستان بیان کرتی ہے، یہ شہر ایشیااور یورپ کے سنگھم اور آبنائے باسفورس کے کنارے آباد کیا گیا،اس جگہ کاانتخاب رومن بادشاہ قسطنطین نے کیا تھا۔

قسطنطین جب قدیم رومن شہنشائیت کے تخت پر بیٹھا تو پورے ملک میں خانہ جنگی عروج پر تھی اور بادشاہت بکھر چکی تھی، اسی دور میں عیسائی راہب رومی بادشاہوں کی عیاشی، اخلاق باختگی اور معاشرتی فحاشی سے تنگ آئے ہوئے عوام میں دن بدن مقبول ہوتے جارہے تھے۔

اس دور کے عیسائی راہب صلیب نہیں اٹھاتے تھے، بلکہ ان کے جھنڈوں پر سواستیکا کی طرح ایک ستارہ ہوتا تھا، قسطنطین کی افواج اس خانہ جنگی میں پے درپے شکست کھارہی تھیں کہ میلان کے مقام پراس نے ایک دم یہ اعلان کیاکہ اس نے رات کوخواب میں آسمان پر عیسائیت کانشان چمکتاہوادیکھاہے، جس کی تعبیر کے نتیجے میں اس نے عیسائیت قبول کرلی اور ہتھیاروں پر برکت کے طور پر عیسائیت کانشان بھی کندہ کرنے کاحکم دیا۔

اس کے بعد جب وہ مقابل فوج پر میلوین پل (Melvin Bridge) کے مقام پر حملہ آور ہوا تو فتح یاب ہو گیا، اسی فتح کے بعد ہی وہ ۳۱۲عیسوی میں متحدہ روم کے تخت پر جلوہ گر ہوسکا،اس نے آتے ہی عیسائی راہبوں کے قتلِ عام کاحکم منسوخ کردیا اور عیسائیت کی ترویج، بائبل کی تدوین اور مذہب کی بنیاد پر قانون سازی شروع کر دی، اس کی والدہ ہیلن (St. Helen) نے ایک راھبہ کی حیثیت سے خود کو عیسائیت کے لئے وقف کر دیا، لیکن رومی سیاست کی وجہ سے اعلان نہ کرپائی تو قسطنطین نے اسے بہت سا سرمایہ اور سپاہی دے کر فلسطین بھیج دیاتاکہ وہ وہاں جاکر

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی جائے پیدائش پر ایک گرجاگھر (Basilica Of The Nativity) تعمیر کرے۔

یہ گرجاگھر بیت اللحم فلسطین میں آج بھی تمام عیسائی گروہوں کا مقدس ترین مقام تصور ہوتا ہے، قسطنطین نے قدیم روم کی بجائے آبنائے باسفورس کے کنارے اس علاقے کو ۳۲۴عیسوی میں اپنے دارالحکومت کے طور پر منتخب کیا، یہ دراصل یونانیوں کاآباد کیاہوا شہر، بازنطینم (Bazantium) تھا۔

یہی وجہ ہے کہ اس شہر سے حکمرانی کرنے والے رومن بادشاہوں کو بازنطینی حکمران کہا جاتا ہے، رومن بادشاہت اب دو حصوں میں تقسیم ہو گئی اور اس کے ساتھ عیسائیت بھی دو حصوں میں بٹ گئی، ایک بازنطینی جن کا دارالحکومت قسطنطنیہ تھااور ان کا مذہب آرتھوڈوکس عیسائیت تھی، جبکہ دوسری بادشاہت کامرکز روم تھا جس کا مذہب کیتھولک عیسائیت تھی۔

بازنطینی بادشاہت کا پہلا اہم ترین بادشاہ جسٹینین اوّل تھا، اس نے ۵۳۲عیسوی میں آرتھوڈوکس چرچ کے مرکز کے طور پر یہ عمارت ''آیاصوفیہ'' تعمیر کرنے کا حکم دیاجو ۵۳۷عیسوی میں مکمل ہوئی، جسٹینین جب تکمیل کے بعد اسے دیکھنے کے لئے اندر داخل ہواتواس کی شان وشوکت دیکھ کر حیران رہ گیا، جس پر اس نے غرور سے کہا''سلیمان میں تم پر سبقت لے گیا'' اس کااشارہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف تھا جنھوں نے بیت المقدس تعمیر کیا تھا۔

آرتھوڈوکس عیسائیت کے مرکز کے طور پر یہ عمارت تقریباً نو سو سال رہی، خلافتِ عثمانیہ کے سلطان محمد فاتح نے ۱۴۵۳ء میں قسطنطنیہ فتح کیا تو شہر کی عیسائی آبادی اس عمارت میں گھس گئی، ان کا ایمان تھا کہ اس کے گنبد سے ایک فرشتہ اس

وقت تلوار لے کر آسمان سے اترے گا جب ترک دشمن قسطنطین کے ستون تک پہنچ جائیں گے ، لیکن سلطان محمد فاتح اس ستون سے گذرتا ہوا اس مسجد کے گنبد والے ہال میں داخل ہوا اور اس نے وہاں کھڑے ہو کر رسولِ اکرم ﷺ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے، گنبد والے فرشتے کے منتظر عیسائیوں کے لئے ویسے ہی فقرے بولے جو رسولِ اکرم ﷺ نے فتح مکہ کے وقت بولے تھے کہ ''آج تم سے کوئی مواخذہ نہیں، تم سب امان میں ہو''۔

آیا صوفیہ میں موجود عیسائی خاندان جو اپنی موت اپنے سامنے دیکھ رہے تھے، سلطان کے اس اعلان پر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگ گئے، یہی وجہ ہے کہ قسطنطنیہ جو کبھی عیسائی تہذیب کا مرکز تھا آج وہاں صرف 0.2 فیصد عیسائی ہیں اور وہ بھی باہر سے آئے ہوئے آرمینائی آباد کار۔

سلطان محمد فاتح جمعہ کے دن فجر کے وقت آیا صوفیہ میں داخل ہوا تھا، اس نے کہا کہ چونکہ یہ شہر ہم نے حضرت عمرؓ کے عیسائیوں سے معاہدے کے تحت بیت المقدس حاصل کرنے کی طرح حاصل نہیں کیا بلکہ ، لڑ کر فتح کیا ہے اس لئے ہم عبادت گاہوں کے ضامن ہیں، ہم جمعہ کی نماز یہاں ادا کریں گے ، اس دن سے ساڑھے چار سو سال تک یہ جگہ اذانوں سے گونجتی اور سجدوں سے مزین رہی۔

مصطفی کمال اتاترک نے ۱۹۳۱ء میں صرف اسلام دشمنی میں اسے بند کیا، وہ اسے واپس گرجا گھر بنانا چاہتا تھا، لیکن ایک تو وہاں عیسائی آبادی نہ ہونے کے برابر تھی اور دوسرا مسلمانوں کا دباؤ، جنگِ عظیم اوّل کے بعد آبادی کا بہت بڑا ایک تبادلہ ہو چکا تھا جس کے تحت دس لاکھ عیسائی یونان چلے گئے تھے اور تین لاکھ مسلمانوں کو ترکی بلا لیا گیا تھا۔

عیسائیوں کی غیر موجودگی میں آیا صوفیہ ایک بے آباد گرجا گھر ہی رہتا، اتاترک کی اسلام دشمنی اس قدر تھی کہ اس نے گرجا بنانے میں ناکامی کے بعد اسے مسجد کی بجائے ایک عجائب گھر بنا دیا۔ آج طیب اردگان کی حکومت ۸۵ سال بعد دوبارہ اس ساڑھے چار سو سالہ مسلم تاریخ کو زندہ کرنے جا رہی ہے جس کے بارے میں اقبال نے کہا تھا۔ دی اذانیں کبھی یورپ کے کلیساؤں میں کبھی افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں بہت سے سیکولر لبرل تلملائیں گے، شور مچے گا، لیکن آثار قدیمہ کے عالمی اصولوں کے مطابق تمام قدیمی عمارتیں اور نوادرات اس ملک کی ملکیت ہوتے ہیں جہاں وہ پائے جاتے ہیں اس لئے آیا صوفیہ بھی مسلمانوں کی ملکیت ہے، آج کے دور میں ملکیت ہی عمارت کا مصرف بتاتی ہے۔ یورپ کے صرف ایک شہر لندن کے پانچ سو بند گرجا گھروں میں ۴۲۳ کو مسلمانوں نے خرید کر مسجد بنایا اور آج ان میں نمازیں ادا ہو رہی ہیں، یہ تو باہم رضامندی سے ہوا، لیکن سپین سے جب مسلمانوں کو زبردستی نکالا گیا تو وہاں کی تین ہزار مساجد کو گرجا گھر بنا دیا گیا، ان کی تفصیل جسٹن کروسین (Justin Kroesen) نے اپنی کتاب (Mosques To Cathedral) میں دی ہے۔ کیا یہ سیکولر اور لبرل مافیا سپین کی تین ہزار مساجد کو مسلمانوں کے اختیار میں دینے کے لئے آواز بلند کرے گا، بابری مسجد میں اذان کی آواز کے لئے جلوس نکالے گا، ہرگز نہیں، اس لئے کہ دنیا ہر سیکولر، لبرل اور لادین اصل میں مذہب دشمن نہیں ہے بلکہ اسلام دشمن ہے، اسے کرسمس کی رونق، ہولی کے رنگ اور دیوالی کے دیپ اچھے لگتے ہیں لیکن اسے مسلمانوں کی اذان سے لے کر بکروں کی قربانی تک ہر چیز سے نفرت ہے۔ آیا صوفیہ میں پچیانوے سال بعد بلند ہونے والی اذان ایک ایسے شہر سے اللہ کی بڑائی کا اعلان ہے جو ایک ہزار سال تک یورپی تہذیب کا مرکز رہا تھا۔

گزشتہ دنوں جب میں نے پڑھا کہ مصر، سوڈان اور ایتھوپیا دریائے نیل کے پانی کے تصفیے کے لیے ایک بار پھر مذاکرات کی میز پر بیٹھ رہے ہیں تو مسدس حالی کا یہ مصرع میرے حافظے میں گھوم گیا اور عرب کے وہ واقعات بھی جہاں قبیلوں کے جھگڑے کسی چشمے یا کنویں پر ہوا کرتے تھے، کیا ہم برصغیر کے ایک کونے میں رہنے والوں کو کچھ معلوم ہے؟ افریقہ کا یہ خطہ جنگ کے کنارے پر ہے، ان ملکوں کے لیے زندگی اور موت کا مسئلہ ہے، اپنی جان بچانا ہو تو دوسروں کی جانیں بے وقعت ہو جاتی ہیں، آگ ہے جس پر پانی نہیں پڑ رہا۔

ذرا دیکھتے ہیں کہ پانی کا یہ مسئلہ ہے کیا؟ لیکن پہلے ہمیں دریائے نیل کے بارے میں جاننا ہوگا، یہ عجیب دریا ہے، شمال مشرقی افریقہ میں جنوب سے شمال کی طرف بہنے والا نیل ۶۶۹۵ کلومیٹر کی لمبائی کے ساتھ دنیا کا سب سے لمبا دریا ہے، ۱۱ ملکوں سے گزرنے والا یہ دریا کئی معاون دریاؤں سے مل کر بنتا ہے۔

اہم دریاؤں میں پہلا اور بڑا دریا نیل الابیض (سفید نیل) روانڈا، برونڈی سے نکلتا ہے جبکہ نیل الازرق (نیلا نیل) ایتھوپیا کی جھیل ٹانا سے، سوڈان کے دارالحکومت

خرطوم کے قریب یہ دونوں نیل میں مل جاتے ہیں، خرطوم پر ملاپ کے بعد یہ نیل سوڈانی صحرا سے گزرتا ہوا مصر میں داخل ہوتا ہے۔

سوڈان اور مصر کی سرحد کے قریب مصر نے ۱۹۶۱ء میں اسوان ڈیم بنایا تھا، پانی کے اس ذخیرے سے، جسے جھیل ناصر کا نام دیا گیا، مصر کو بہت فائدہ ہوا اور بہت سی اراضی سیراب ہوئی، آگے بڑھ کر نیل بحر روم میں گر کر اپنا سفر ختم کرنے سے پہلے ایک وسیع علاقے میں شاخوں میں بٹ کر زرخیز ڈیلٹا بناتا ہے، مصر کا دارالحکومت قاہرہ اس ڈیلٹا کے تقریباً شروع میں واقع ہے۔

ایتھوپیا ایک غریب، پسماندہ اور ترقی پذیر ملک ہے جسے بہت سے بحرانوں کا سامنا ہے، وہ اپنے بہت سے مسائل حل کرنے کے لیے نیل پر ایک بہت بڑا ڈیم اور جھیل GERD (Grand Ethopian Renaissance Dam) بنا رہا ہے۔

اس ڈیم پر مصر کو خاص طور پر اعتراض رہا ہے، یہ مسئلہ اور اس پر تنازع تو عشروں پر محیط ہے اور کچھ معاہدے بھی 1929، 1902، 1959ء میں کیے گئے تھے، جن میں دریا کے اوپر والے ممالک پر لازمی تھا کہ وہ نیچے والے ممالک یعنی سوڈان اور مصر کی مرضی کے بغیر نیل پر ڈیم نہ بنائیں، لیکن بالائی ممالک میں کچھ مثلاً ایتھوپیا کا موٴقف یہ ہے کہ یہ معاہدے غیر منصفانہ اور نوآبادیاتی دور کے ہیں اس لیے وہ انہیں نہیں مانتے۔

اس پر عرصے سے تنازع تھا لیکن کسی نتیجے پر نہیں پہنچا جاسکا، پھر ہوا یہ کہ ایتھوپیا نے ایک طرف تو یہ کوشش کی کہ بالائی ممالک کو ساتھ ملا کر سوڈان اور مصر کو اکیلا کیا جاسکے، دوسری طرف، پہلے معاہدوں کو بھول کر نیا لائحہ عمل بنایا جاسکے، اس مقصد میں وہ ۲۰۱۰ء میں یوگنڈا، برونڈی، ایتھوپیا، روانڈا، کینیا، تنزانیہ کے دستخطوں

کے ساتھ سی ایف اے (Cooperative Framework Agreement) نامی معاہدے کے ذریعے کامیاب ہو گیا، مصر اور سوڈان نے سی ایف اے کو مسترد کر دیا کیونکہ ان کے مطابق یہ ان کے تاریخی اور طے شدہ حقوق کی پاسداری نہیں کرتا، اس کے بعد سے ایتھوپیا اور مصر کے تعلقات خاص طور پر بہت کشیدہ ہو گئے۔

اب ہوا یہ کہ مصر کے داخلی انتشار اور حسنی مبارک کی حکومت ختم ہونے کے دنوں میں ایتھوپیا نے ۲۰۱۱ء میں یک طرفہ طور پر ڈیم کی تعمیر شروع کر دی، اس صورتِ حال نے مصریوں کو غم وغصے سے بھر دیا، مرسی نے کہا اگر مصر کی مرضی اور معاہدے کے بغیر تعمیر جاری رکھی گئی تو سارے آپشنز کھلے ہیں اور ہم اپنی بقا کے لیے لڑیں گے، یہ جنگ کی دھمکی تھی، ۲۰۱۵ء میں مصر، سوڈان اور ایتھوپیا نے ایک اور معاہدہ کیا جس کے مطابق ڈیم کی بجلی پر دریا کے زیریں ممالک کا حق فائق ہو گا، یہ بظاہر ایتھوپیا کی جیت تھی اس لیے بھی کہ ڈیم کی تعمیر کو ایک طرح تسلیم کر لیا گیا اور دوسرے، پہلی بار اس میں مصر کے مبینہ پانی کے حقوق کا ذکر شامل نہیں کیا گیا۔

ایتھوپیا کے اس ڈیم سے کیا فوائد اور مسائل پیدا ہوں گے؟ یہ ڈیم ۱۹۶۰ء کے قریب تجویز کیا گیا تھا، ایتھوپیا اس وقت بڑے دریا رکھنے کے باوجود بجلی اور پانی کی شدید قلت کا شکار ہے، گیارہ کروڑ سے زائد آبادی کا یہ ملک اپنی معیشت بہتر بنانے اور اپنے لوگوں کے معیارِ زندگی کی بہتری کے لیے اس ڈیم کا محتاج ہے۔

بجلی کی قلت کا یہ حال ہے کہ ۶۵ فیصد سے زیاد آبادی کے پاس بجلی نہیں ہے، جی ای آر ڈیم 4.8 ارب ڈالر کا منصوبہ ہے جو ایتھوپیا اور سوڈان کی سرحد کے قریب نیلے نیل پر بنایا جا رہا ہے، اس ڈیم سے نہ صرف ملک کے لاکھوں لوگوں کو بجلی مل سکے گی بلکہ ہمسایہ ممالک کو بجلی برآمد بھی ہو سکے گی، اندازہ ہے کہ ۶ ہزار میگا واٹ سے

زائد بجلی حاصل ہو سکے گی، اس ڈیم کے بعد ایتھوپیا افریقہ کا سب سے بڑا توانائی برآمد کرنے والا ملک بن سکتا ہے، ہمسایہ ممالک کو بجلی برآمد کر کے ایتھوپیا ایک ارب ڈالر سالانہ کما سکتا ہے، ایتھوپیا کا خیال ہے کہ یہ ڈیم اس کا فطری حق ہے اور اس پر اعتراض اس کی آزادی میں مداخلت ہے، اس ڈیم کے بعد وہ علاقے کی بڑی طاقت کے طور پر ابھر سکتا ہے۔

اب ذرا مصر کے نقطۂ نظر سے دیکھتے ہیں۔ ۱۹۵۹ء کے معاہدے کے تحت مصر کا دریا کے 55.5 ارب کیوبک فٹ پانی پر حق ہے اور اس پانی کا ۸۵ فیصد ایتھوپیا کے میدانوں سے گزر کر آتا ہے، مصر کے تازہ پانی کا اصل یعنی ۹۰ فیصد دار و مدار نیل پر ہے، اب اس نیلے نیل پر اگر ایتھوپیا ڈیم بناتا ہے تو یہ مصر کے لیے شدید خطرہ ہے اور یہ خطرہ پوری انسانی تاریخ میں مصر کو پہلی بار لاحق ہوا ہے، ورنہ نیل کے کنارے دنیا کی قدیم ترین تہذیب پھلتی پھولتی رہی ہے، جی ای آر ڈیم کی جھیل ۷۴ ارب کیوبک فٹ پانی کا ذخیرہ کرنے کی استعداد رکھتی ہے، یہ بہت بڑی مقدار ہے۔

یہ بات بھی یاد رہے کہ مصر اس وقت بھی اس ڈیم کی بات ایک طرف چھوڑتے ہوئے پانی کی قلت کا شکار ہے، اس کی ضرورت ۸۰ ارب کیوبک فٹ ہے جبکہ اس کے وسائل ۶۰ ارب کیوبک فٹ کے ہیں، اگر یہ ڈیم کسی معاہدے کے بغیر بھرا جاتا ہے تو مصر کے دس لاکھ لوگ بے روزگار ہو جائیں گے اور 1.8 ارب ڈالر کا ہر سال نقصان ہوگا، ڈیم کی جھیل بھرنے سے مصر کے حصے کا ۱۰ سے ۱۵ ارب کیوبک فٹ پانی کم ہو جائے گا۔

ایتھوپیا ڈیم کی جھیل ۶ سال میں بھرنے کا منصوبہ رکھتا ہے جس کا آغاز اس جولائی (۲۰۲۰) سے ہے، جھیل بھرنے میں جتنی زیادہ مدت ہو گی، مصر کے لیے اتنا ہی بہتر

ہے، مصر چاہتا ہے کہ یہ مدت ۱۲ سے ۲۱ سال ہو خاص طور پر شروع میں بہت آہستہ، تاکہ دریا کی سطح کم نہ ہو، اگر جلد بھرا گیا تو یہ ہر سال ۵۴ ارب کیوبک فٹ پانی پی لے گا، جو مصر اور سوڈان کے لیے ہلاکت خیز بات ہوگی، ایتھوپیا اسے جلد از جلد بھرنے کا خواہش مند ہے تاکہ اس کے مقاصد پورے ہو سکیں، تو گویا مصر اب اکیلا رہ گیا ہے اور اب اس کا زور ڈیم کی جھیل کو بھرنے کے لیے ایک معاہدے پر ہے، یہ ان کے لیے اب زندگی اور موت کا مسئلہ ہے جس پر وہ جنگ کے لیے بھی تل سکتے ہیں خاص طور پر جبکہ وہاں فوج کی حکومت ہے۔

ہم اس قضیے سے کیا سیکھ سکتے ہیں؟ ان ملکوں سے اور ان کروڑوں افراد سے جن کی نظر ایک ہی دریا پر ہے، وہ دریا جو ان کی شہ رگ کی طرح رہا ہے، ہم جو برصغیر کے اس کونے میں بیٹھے ہیں، جہاں پانی کی ہر شکل ہمیں میسر ہے، منجمد گلیشیرز سے لے کر آبشاروں، جھیلوں، بہتے دریاؤں، چشموں، ندیوں اور سمندر تک، جہاں بے شمار ڈیم اور جھیلیں بنانے کی گنجائش ہے، پیاس لگتی ہے تو یہ نہیں دیکھتی کہ اس جسم کا مرتبہ اور عہدہ کیا ہے، اسے وہ گھونٹ چاہئیں جو سیراب کر دیں، ہم بھی پانی کی کمی کا شکار ہیں لیکن آپ آج وہ گھونٹ پیئیں تو شکر کریں کہ ہم پیاس کے ان مسائل کا شکار نہیں ہیں جو کروڑوں لوگوں کو درپیش ہیں۔

جمہوریت ایک ایسا طرزِ حکومت ہے جس کے ثمرات سے نہ صرف شرفا بلکہ بدمعاش لوگ بھی مستفید ہو سکتے ہیں۔ بعض اوقات تو شرفا مُنہ دیکھتے رہ جاتے ہیں اور جمہوریت کی ساری برکتیں بدمعاشوں کے لیے مخصوص ہو جاتی ہیں۔ چند ہفتے پیشتر جاپان کے سب سے بڑے سنڈیکیٹ یعنی ادارۂ ترویج و ترقی جرائم کے سربراہ اِس جہانِ فانی سے کوچ کر گئے۔ اُن کی وفات پر جاپان کے جمہوریت پسند بدمعاشوں میں غم واَندوہ کی لہر دوڑ گئی۔

آنجہانی کے سوگ میں تمام بدمعاشوں نے تین منٹ تک مجرمانہ سرگرمیوں سے مکمل اِجتناب برتا، جاپان کے قانون پسند حلقوں نے اِس پر احتجاج کرتے ہوئے کہا کہ اتنے عظیم بدمعاش کی رحلت پر اُن کے عقیدت مندوں کو چاہیے تھا کہ وُہ کم از کم تین دِن تک اِرتکاب جرم سے باز رہتے۔

سوگ سے فراغت پاتے ہی جاپانی بدمعاشوں کی مرکزی تنظیم نے نئے سربراہ کے چناؤ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اِس عہدے کے لیے دو اُمیدوار (مسٹر ٹیکناکا اَور مسٹر یاماموٹو) سامنے آئے۔ دونوں اُمیدواروں میں مقابلہ بہت سخت تھا۔ اُنھوں نے اِنتخابی جلسوں میں ایک دُوسرے سے بڑھ کر اپنے مجرمانہ ریکارڈ پیش کئے اور خود کو

دوسرے سے بڑا بدمعاش ثابت کرنے کی کوشش کی، نیز اُن خدمات کی تفصیل بھی پیش کی جو انھوں نے بدمعاش بھائیوں کی خاطر انجام دی تھیں۔

بظاہر مسٹر یاماموٹو کا پلہ بھاری لگتا تھا کہ اُنھیں نہ صرف جاپان کے پانچ ہزار چھٹے ہوئے بدمعاشوں کی حمایت حاصل تھی بلکہ آنجہانی سربراہ کی بیوہ بھی اُن کی بدمعاشی کا سِکّہ تسلیم کرتے ہوئے اُن کی طرف داری میں پیش پیش تھیں۔ اِس ہنگامہ پرور مہم کے دوران میں بدمعاشوں کا طرزِ عمل اِس قدر شریفانہ تھا کہ جاپان کے شرفا بھی شرم سے پانی پانی ہو گئے۔

ایک اِنتخابی جلسے میں مسٹر ٹیکناکا نے فرمایا: ''اِنتخابی مہم اور پولنگ کے دوران بدمعاشی کر کے ہم شرفا کے نقشِ قدم پر چلنا معیوب سمجھتے ہیں۔ ہمارے کچھ اُصول ہیں جو شرفا کے اُصولوں کی طرح ہر لمحہ تبدیل نہیں ہوتے۔ ہم جان دے سکتے ہیں لیکن اُصولوں کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتے۔ ایک شریف دوسرے شریف سے بدمعاشی کر سکتا ہے لیکن بدمعاش کبھی دُوسرے بدمعاش سے بدمعاشی نہیں کرتا۔

مسٹر ٹیکناکا کی یہ تاریخی تقریر ہٹ ہو گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے اِنتخابی مہم کا پلڑا اُن کے حق میں جھک گیا، حتیٰ کہ آنجہانی سربراہ کی بیوہ نے بھی تسلیم کر لیا کہ کوئی بدمعاش اِس سے بہتر تقریر نہیں کر سکتا۔ چنانچہ وہ مسٹر یاماموٹو کی حمایت سے دستبردار ہو گئیں اور اپنے ہزاروں بدمعاشوں کے ساتھ مسٹر ٹیکناکا کی پارٹی میں شامل ہو گئیں۔ اِس صورتِ حال سے بِھنّا کر مسٹر یاماموٹو نے کہا: ''اگر میں شریف آدمی ہوتا تو مسٹر ٹیکناکا کو اِس بدمعاشی کا مزہ چکھا دیتا لیکن میں آئینِ بدمعاشی سے رُوگردانی نہیں کر سکتا۔ بدمعاشوں کی تاریخ میں اِس سے پہلے شاید ہی کبھی اِتنی ہنگامہ خیز اِنتخابی مہم چلائی گئی ہو۔

اِس مہم کے اِختتام پر نئے سربراہ کے چناؤ کے لیے متحارب گروہوں میں سخت کشمکش کے ماحول میں پولنگ کا آغاز ہوا۔ پریذائڈنگ افسر کے فرائض ایک ریٹائرڈ سمگلر نے انجام دیے جو اپنی جوانی میں نامی گرامی بدمعاش رہ چکے تھے لیکن اِن دنوں کئی ایک امراض میں مبتلا ہونے کی وجہ سے گھر پر شرافت کی زندگی گزار رہے تھے۔ جاپان کے تقریباً ایک لاکھ بدمعاشوں نے اِنتہائی ڈسپلن اور ایمان داری سے ووٹ بھگتا کر جمہوریت کی تاریخ میں ایک سنہری باب کا اضافہ کیا۔

پولنگ کے بعد ووٹوں کی گنتی شروع ہوئی۔ نتائج کا اعلان ہوا تو پتا چلا کہ مسٹر ٹیکنا کا بھاری اکثریت سے کامیاب ہو گئے ہیں۔ اُن کے حریف مسٹر یاما موٹو نے یہ فیصلہ نہ صرف خندہ پیشانی سے قبول کیا بلکہ کامیاب اُمیدوار کو گلے لگاتے ہوئے اُسے مبارک باد بھی پیش کی۔ بعد میں دونوں نے ایک مشترکہ پریس کانفرنس سے خطاب بھی کیا۔

مسٹر یاما موٹو نے کہا: ’’میری شکست کی بڑی وجہ میرے خلاف یہ پراپیگنڈا ہے کہ میں دَرپردہ جاپان کے شرفا سے ملا ہُوا ہوں اور بدمعاشی کے مسلّمہ اُصولوں سے اِنحراف کر رہا ہوں۔ اصل قِصّہ یہ ہے کہ میں اپنی بدمعاشی کو شرفا کے تعاون سے فروغ دے رہا ہُوں۔ وقت آگیا ہے کہ ہم شرفا کے بارے میں اپنے روایتی نظریات پر نظرِ ثانی کریں۔ حقیقت یہ ہے کہ شرفا میں ایک ایسا طبقہ موجود ہے جو ہمارے ہی بھائی بندوں پر مشتمل ہے اور ہمارے ساتھ ہر طرح کا تعاون کرتا ہے۔ بہر حال مجھے اکثریت کا فیصلہ منظور ہے۔

اور مسٹر ٹیکنا کا نے کہا: ’’ اِنتخابی مہم بڑی زوردار تھی۔ جوش و خروش کا عالم دیدنی تھا۔ ہمارے بدمعاش بھائیوں نے جس تحمل، بردباری اور نظم و ضبط کا ثبوت

دیاوُہ شرفا کے مُنہ پر ایک طمانچہ ہے۔ میرے قابل صَد احترام بدمعاش دوست مسٹر یاما موٹو نے جس فراخ دِلی کا مظاہرہ کیا ہے اُس کی توقع کسی چھوٹے موٹے بدمعاش سے ہر گز نہیں کی جاسکتی۔

حقیقت یہ ہے کہ اُنھوں نے بدمعاشی کو ایک ایسے فلسفہَ حیات کا رُوپ دے دیا ہے جو نہایت کامیابی سے کمیونزم اور کیپیٹل اِزم کی جگہ لے سکتا ہے۔ اِس میں کوئی شک نہیں کہ یہ دونوں نظام دراصل بدمعاشی ہی کی بگڑی ہوئی شکلیں ہیں یعنی کہ بدمعاشی دَر بدمعاشی کی مثال ہیں، مگر ہم چاہتے ہیں کہ اِن نظاموں سے منافقت اور اِستحصال کا عُنصر نکال دیں اور دنیا کو خالص کھری اور شریفانہ بدمعاشی کے فوائد سے آشنا کریں۔

وُہ وقت دور نہیں جب ہم دنیائے بدمعاشی کے جھنڈے تلے متحد ہو جائیں گے۔ ہم نے اپنے فلسفے کو ''راسکل اِزم'' کا نام دیا ہے اور ہر بدمعاش نے تہیّہ کر لیا ہے کہ وہ راسکل اِزم کے فروغ کے لیے کوئی بڑی سے بڑی بدمعاشی کرنے سے بھی دریغ نہیں کرے گا۔

پریس کانفرنس کے اِختتام پر اِدارہَ ترویج و ترقی جرائم کے نئے سربراہ کی تقریبِ حلف برداری کا پروگرام ترتیب دیا گیا اور اِس پُر وقار تقریب کے اِنعقاد کے لیے جاپان کے ایک خوبصورت جزیرے (شیکو) کا اِنتخاب کیا گیا۔ اُدھر جاپانی پولیس کے سربراہ کو خبر ملی تو اُس نے ماتحت عملے کو ہدایت کر دی کہ وہ ہر قیمت پر اس تقریب کے اِنعقاد کو روکیں۔ چنانچہ پولیس نے اُس جزیرے کا گھیراؤ کر لیا لیکن بدمعاشی میں پولیس اور بدمعاشوں کا کیا مقابلہ... تقریباً چار سو بدمعاش جزیرے پر پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔

دور جدید میں کامیابی کے حصول کے لیے جہاں لگن، جستجو اور محنت ضروری ہے، وہیں متاثر کن گفتگو بھی بے حد اہمیت کی حامل ہے۔ متاثر کن گفتگو کے ذریعے تمام شعبہ ہائے زندگی (مثلاً تعلیم، ملازمت یا کاروبار وغیرہ) میں کامیابی حاصل کی جاسکتی ہے۔ اگر آپ ایک کامیاب انسان بننا چاہتے ہیں تو آپ کو دیگر مہارتوں کے ساتھ بات اپنی بات دوسروں کو سمجھانے کا فن بھی لازمی آنا چاہیے۔

ہمیں یہ بات سمجھنے چاہیے کہ گفتگو میں مہارت محض کسی مہنگے اور معیاری انسٹیٹیوٹ میں داخلہ لینے سی ہی حاصل نہیں ہوتی۔ بیشتر لوگ گفتگو میں مہارت حاصل کرنے کے لیے باضابطہ تربیت (مثلاً پریزنٹیشن اسکلز یا پھر بزنس ڈویلپمنٹ اسکلز کورسز) حاصل کرتے ہیں۔ یہ کورسز عام طور پر رسمی خط و کتابت، منصوبہ بندی یا پھر گروپ ڈسکشن کا احاطہ کیے ہوتے ہیں، جن کا سامنا ہم اکثر و بیشتر کرتے ہیں۔

لیکن یہ کورسز شاذ و نادر ہی ہماری غیر رسمی گفتگو(مثلاً بحث، ملاقاتیں، ورکشاپس، ٹیلیفونک کالز وغیرہ) کا احاطہ کرتے ہیں، جن کا سامنا ہمیں عام طور پر کرنا پڑتا ہے۔ تاہم سوال یہ ہے کہ آخر غیر رسمی گفتگو میں کیسے مہارت حاصل کی جائے؟

کسی دوسرے شخص تک اپنا موقف پہنچانا اور اپنی بات کو صحیح معنوں میں سمجھانا ایک فن ہے۔آیئے جانتے ہیں کہ وہ کون سی اہم باتیں ہیں جنہیں اس فن کو سیکھنے کے لئے ذہن نشین کرنا ضروری ہے۔

زیادہ سے زیادہ مطالعہ: گفتگو میں مہارت حاصل کرنے کے لیے سب سے پہلا ہتھیار(Tool) مطالعہ ہے، لہٰذا کوشش کریں کہ آپ زیادہ سے زیادہ ناول، اخبارات اور کاروباری دستاویزات وغیرہ کا مطالعہ کریں۔ دورانِ مطالعہ جن الفاظ کو پڑھنے یا سمجھنے یں مشکل محسوس ہو ان کے تلفظ یا معنی و مطالب جاننے کے لیے لغت یا انٹرنیٹ کی مدد حاصل کریں۔اس طرح نہ صرف آپ اپنی گفتگو میں بہتری لا سکیں گے بلکہ دوسروں کو اپنا نقطہ نظر بھی بہتر انداز میں پیش کر پایئں گے۔ اس کے علاوہ زبان کی کمزوری دور کرنے میں بھی مدد حاصل ہو گی۔

الفاظ کے چناؤ پر غور: گفتگو کے دوران لفظوں کا بے جا استعمال سننے والے کی دلچسپی اور توجہ میں کمی لا سکتا ہے، ساتھ ہی طویل گفتگو آپ کی بات کے اثر کو زائل کر سکتی ہے۔ لہٰذا اپنی گفتگو میں غیر شائستہ، مشکل یا ایسے بے معنی الفاظ بالکل استعمال نہ کریں جو سامنے والے کی سمجھ میں نہ آئیں یا اسے بُرا لگے، اس طرح وہ آپ سے بات کرنے میں ناگواری محسوس کرے۔ یاد رکھیں الفاظ کسی بھی انسان کی شخصیت کی عکاسی کرتے ہیں اور اس کی تربیت اور خاندان کا پتہ دیتے ہیں۔ بہترین الفاظ کا چناؤ انسان کی عزت و وقار میں اضافہ کرتا ہے جبکہ نامناسب الفاظ انسان کو بلند ایوان میں بھی کم تر اور کم حیثیت بنا دیتے ہیں۔

ماہرین کی ویڈیوز دیکھنا: گفتگو میں مہارت حاصل کرنے کے لیے سننا (Listening) بھی بہت ضروری ہوتا ہے۔ انسان میں یہ خاصیت پائی جاتی ہے

کہ وہ سننے اور دیکھنے سے سیکھتا ہے، پھر اسی انداز سے بولنے کی کوشش کرتا ہے۔ جو اچھا سننے کی صلاحیت رکھتا ہے، وہ اچھا بولنے والا بھی بن سکتا ہے۔آپ کو چاہیے کہ انٹرنیٹ پر موجود ماہرین کی ویڈیوز دیکھیں اور سنیں، ان ماہرین کے جملوں، لفظوں اور باڈی لینگوئج پر غور کریں۔ اس طرح آپ ان کی نقل کرکے گفتگو کے انداز میں بہتری لاسکتے ہیں۔

بھرپور تیاری کریں: اگرآپ کو کہیں سامعین سے بات کرنی ہے تو جوآپ ان سے کہنا چاہتے ہیں اس کو لکھ لیں۔اس بات پر بھی غور کریں کہ کیسے زیادہ سے زیادہ سامعین کو اپنی جانب متوجہ رکھا جاسکتا ہے۔ کسی ایسی صورتحال کے بارے میں سوچیں جس میں آپ سے سوالات پوچھے جاسکتے ہیں، پھر ان کے جوابات تلاش کرکے لکھیں۔ پریزنٹیشن دیتے وقت ہر طرح کے سوالات اور حالات کا سامنا کرنے کے لیے تیار رہیں، ممکن ہے آپ کو اپنی بات کچھ مختلف انداز میں لوگوں کو سمجھانے کی ضرورت پڑے۔

سننا اور دلچسپی لینا: زیادہ سننے اور کم بولنے کے ذریعے آپ اپنی بات زیادہ بہتر انداز میں دوسروں کو سمجھا پائیں گے۔اس طرح لوگوں کو لگے گا کہ آپ انھیں اہمیت دے رہے ہیں اور ان کی ضروریات کو سمجھتے ہیں، وہ آپ پر اعتماد بھی کریں گے۔ دوران گفتگو جس شخص کا تعاون حاصل کرنے کی کوشش کی جارہی ہو اس کی باتوں میں مکمل دلچسپی کا اظہار کریں۔

لہجہ اور چہرے کے تاثرات: گفتگو کے دوران جو الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں ان کے چناؤ کے ساتھ ساتھ آپ کا لہجہ ،اشارے اور چہرے کے تاثرات بھی نہایت اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ لہٰذا کوشش کریں کہ آپ کی باڈی لینگوئج اور لب و لہجہ آپ کے الفاظ کا ساتھ دے۔

آجکل کی تیز رفتار دنیا اور ٹیکنالوجی کی جدت نے انسان میں مطالعہ کا شوق کافی حد تک کم کر دیا ہے۔ بڑے تو پھر کتابوں کا مطالعہ کرتے نظر آجاتے ہیں لیکن بچے مطالعہ کرنے سے بھاگتے ہیں۔ والدین بھی اس بات پر خفا نظر آتے ہیں کہ ان کے بچے کو مطالعہ کا شوق اور عادت نہیں ہے۔ مگر کہا جاتا ہے کہ بچوں کو کسی بھی بات کا عادی بنانا ہو تو بچپن سے ہی اس کی تاکید کرنی چاہیے اور یہی تکنیک مطالعہ کے لیے بھی استعمال ہوتی ہے۔

اگر بچپن سے ہی بچوں کی کتاب سے دوستی کروادی جائے تو یہ بات وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ بڑے ہو کر ان میں یہ عادت پختہ ہو جائے گی اور آپ کو شکایت یا ناراضی کا موقع نہیں ملے گا۔ لہٰذا جس طرح آپ بچوں کو بچپن ہی سے اخلاقیات کا درس دیتے ہیں، بالکل اسی طرح مطالعہ میں بھی ان کی دلچسپی پیدا کرنا ضروری ہے۔

دنیا بھر کے کامیاب افراد کی بائیو گرافی کا مطالعہ کریں تو آپ کو اندازہ ہو گا کہ ان افراد میں کافی باتیں مشترک ہوتی ہیں۔ ان عادات میں سب سے خاص سیکھنے کی عادت ہے، کچھ 'نیا' سیکھنے کا جنون، جس کے تحت یہ لوگ مختلف کتابوں کا مطالعہ

کرتے ہیں اور مطالعہ کا یہ شوق ان کی کامیابی کی ضمانت بن جاتا ہے۔ اسکولوں کی تعطیلات کی وجہ سے یہ نادر موقع ہے کہ بچوں کی کتاب سے دوستی کروائی جائے۔ اگر ہم اپنی نئی نسل کو مطالعے کا شوقین بنانا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنے بچوں کو 5 سال کی عمر سے ہی پڑھنے کا عادی بنانا ہوگا۔ آیئے جانتے ہیں کہ بچوں میں کس طرح مطالعہ کی عادت پروان چڑھائی جاسکتی ہے۔

خود بھی مطالعہ کریں: گھر یا آفس کے کاموں سے فارغ ہو کر اکثر والدین بچوں سے تھوڑی سی بات چیت کرنے کے بعد موبائل فون میں مگن ہو جاتے ہیں جبکہ بچے ٹی وی، ویڈیو گیمز یا دوسرے کھیلوں میں مصروف نظر آتے ہیں۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کے بچے مطالعہ کے شوقین بنیں تو سب سے پہلے آپ کو اپنے اندر تبدیلی لانی ہوگی۔ فارغ اوقات میں موبائل فون یا سوشل میڈیا پر وقت صرف کرنے کے بجائے کہانی کی کوئی اچھی سی کتاب پڑھیں اور بچوں کو بھی پڑھ کر سنائیں، اس سے بچوں میں یہ تاثر قائم ہوگا کہ ان کے والدین فارغ وقت میں مطالعہ کرتے ہیں۔ بچوں کے بارے میں ایک بنیادی بات یہ ہے کہ وہ ہر کام میں اپنے بڑوں کی نقل کرتے ہیں۔ والدین کی مطالعہ کی عادت اور بچوں کے ذہن میں کتاب کی اہمیت اجاگر کرنے سے ان میں مطالعہ کا رجحان پیدا ہو گا اور یہ رجحان کچھ عرصے بعد شوق اور پھر ذوق میں تبدیل ہو جائے گا۔

مطالعہ کا کمرہ بنائیں: گھر میں مطالعہ کا کمرہ بچوں میں مطالعہ کا شوق پروان چڑھائے گا۔ لازمی نہیں کہ لائبریری بنوائی جائے، تاہم اگر گھر چھوٹا ہے تو بک شیلف یا کارنر شیلف بنوا کر میز اور کرسی کے ساتھ مطالعہ کی جگہ بنائی جاسکتی ہے ہے۔ جب بچے آپ کو وہاں مطالعہ کرتے دیکھیں گے تو ان کا بھی آپ کے ساتھ اس حصے میں بیٹھ کر کچھ

سننے اور پڑھنے کا دل چاہے گا۔ بچوں کے روم میں کھلونوں والے شیلف کے ساتھ بک شیلف کا اضافہ کر کے ان کی دلچسپی کی کتابیں اس میں رکھیں۔ جب بچوں کی بار بار اپنی من پسند کتابوں پر نظر پڑے گی تو ان کا انھیں دوبارہ پڑھنے کا دل کرے گا۔

مطالعہ کا وقت مقرر کرنا: اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کے بچے میں بچپن سے ہی مطالعہ کا شوق پیدا ہو تو آپ روزانہ تھوڑا سا پڑھیں مگر باقاعدگی سے پڑھیں۔ دن کے فارغ اوقات میں سے ایک یا آدھا گھنٹہ مطالعہ کے لیے وقف کریں۔ اکثر والدین کتابوں کے مطالعہ کے لیے بیڈ ٹائم (سونے کا وقت) مقرر کرتے ہیں، یہ وہ وقت ہوتا ہے جب آپ دنیا کے تمام جھمیلوں سے فارغ ہو کر اپنے بچے کے ساتھ پر سکون انداز میں مطالعہ کر سکتے ہیں۔

پسندیدہ کتابیں بار بار پڑھیں: اکثر کتابیں جو آپ پہلے پڑھ چکے ہوتے ہیں انھیں گھر میں لانے اور بچوں کو ان کی کہانیاں سنانے میں آپ کی خاص دلچسپی نہیں ہوتی۔ ہر بار کچھ نئی چیز پڑھنے کی خواہش ہوتی ہے لیکن بچوں کے لیے یہ نہ سوچیں کہ آپ نے کیا پڑھا ہے اور کیا نہیں، جو کتاب بچوں کو مطالعہ کے شوق کی جانب لا سکے اسے بار بار بھی پڑھنا پڑے تو یہ عمل دہراتے رہیں۔

بچوں کو حقیقی زندگی اور مطالعہ کے درمیان ربط پیدا کرنا سکھائیں۔ مثال کے طور پر کسی ناکامی کی صورت میں انھیں کامیاب انسان کی بائیو گرافی پڑھ کر سنائیں یا انھیں اپنے مسائل کا حل کتابوں میں تلاش کرنا سکھائیں، ان کے سوالوں کے جواب اور ان کی وضاحت کے لیے کسی کتاب کا حوالہ دیں اور انھیں معلومات فراہم کریں کہ دنیا میں کس کس طرح کے موضوعات پر کتابیں موجود ہیں۔

زبردستی نہ کریں: بچوں پر کتابیں پڑھنے یا کہانی سننے کے لیے کبھی دباؤ نہ ڈالیں، اگر

بچہ خوش ہو کر کتاب پڑھنا یا سننا چاہے تو ٹھیک ہے ورنہ جس دن وہ کتاب یا مطالعہ سے اکتایا ہوا محسوس ہو تو اس پر زبردستی نہ کریں۔آپ کا زبردستی کرنا یا ڈرانا دھمکانا بچے کو مطالعہ سے دور لے جائے گا اور اگر اس کا رجحان کسی دوسری جانب منتقل ہو گیا تو مطالعہ کی عادت ڈالنا مشکل ہو جائے گا۔

کتابوں پر گفتگو کریں: جب آپ کا بچہ کسی کتاب کو مکمل پڑھ لے تو اس سے کتاب کے موضوعات پر لازمی گفتگو کریں، اس سے پوچھیں کہ اسے کتاب کا کون سا حصہ زیادہ پسند آیا اور اس کی کیا وجہ ہے۔یہ تمام گفتگو آپ کے بچے کی صلاحیتوں میں اضافہ کرے گی اور مطالعے میں اس کی دلچسپی بھی بڑھائے گی۔

مولانا جلال الدین رومی
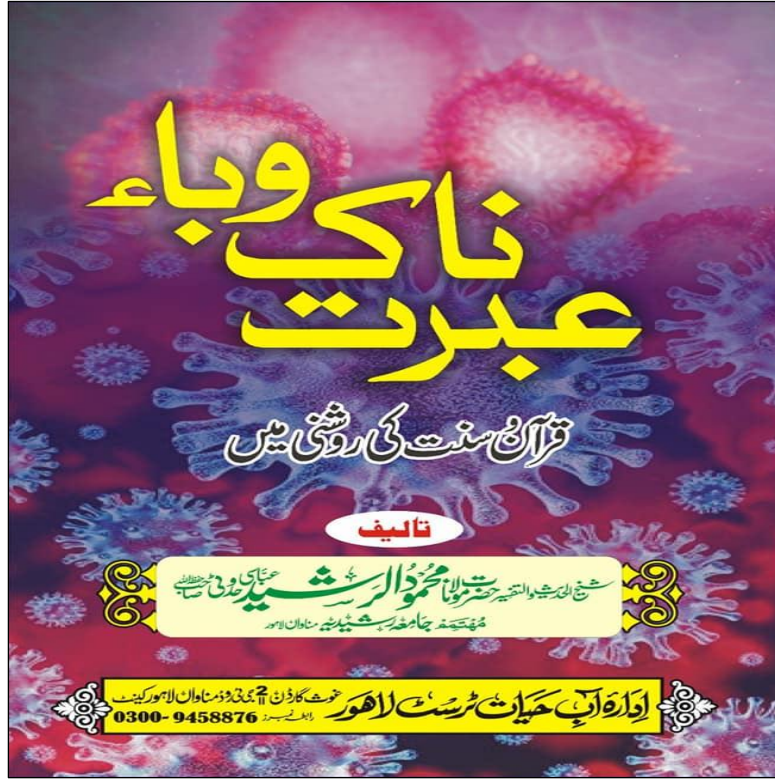
پہلوان کسی جنگل میں سے گزر رہا تھا، اس نے دیکھا کہ ایک اژدہے نے ریچھ کو قابو میں کر رکھا ہے، ریچھ بچنے کی کوششیں کر کے ہار گیا، پہلوان کو یہ دیکھ کر ریچھ پر ترس آیا اور اس نے اژدہے کو تلوار کے ایک ہی وار سے کاٹ کر رکھ دیا، اژدہے کو پہلوان نے ایسے داؤ سے تلوار ماری کہ ریچھ کے بدن پر خراش تک نہ آئی۔

پہلوان کے پاس زورِ بازو بھی تھا اور داؤ پیچ بھی خوب جانتا تھا، اس کے برعکس اژدہے کے پاس قوت تو تھی، مگر داؤ پیچ سے آگاہ نہ تھا، غرض ریچھ کی جان بچ گئی اور وہ اس جواں مرد، قوی ہیکل پہلوان کا اس طرح شکر گزار ہوا کہ اصحابِ کہف کے کتے کی مانند اس کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔

اژدہے کے قبضے سے ریچھ کو چھڑانے میں پہلوان کو کچھ قوت صرف کرنی پڑی تھی اور ویسے بھی وہ لمبا فاصلہ طے کر کے آرہا تھا، تھوڑی دیر ستانے کے لیے ایک درخت کی چھاؤں میں لیٹ گیا، ریچھ ازراہِ اُلفت پاسبانی کے فرائض انجام دینے لگا، اتفاق سے اسی وقت ایک اور شخص ادھر سے گزرا، اس نے ریچھ اور آدمی کی دوستی کا یہ حال دیکھا تو پہلوان کے پاس آیا اور کہنے لگا

بھائی! تو کون ہے اور اس ریچھ سے دوستی کیسے ہوئی؟ پہلوان نے اسے سارا قصہ سنایا، راہ گیر نے حیرت سے دانتوں میں انگلی دبالی اور پہلوان سے کہنے لگا، معلوم ہوتا ہے تو بہت سادہ لوح ہے، اس ریچھ کی اور تیری کیا یاری؟ اس موذی حیوان پر بھروسہ نہ کرنا ورنہ خطا کھائے گا، بے وقوف کی یاری، دشمنی سے بدتر ہے، جس طرح بھی ممکن ہو، اس ریچھ سے چھٹکارا حاصل کر یا اسے مار ڈال۔

پہلوان نے جواب دیا، یہ بات تو حسد سے مجبور ہو کر کہہ رہا ہے، اس ریچھ کو مت دیکھ، اس کی محبت اور الفت کا دھیان کر کہ کس طرح مجھ پر واری صدقے ہو رہا ہے، میں ہرگز اسے نہ بھگاؤں گا۔

راہ گیر نے کہا، ارے بھائی! میری نصیحت پر غور کر، نادانوں اور بے وقوفوں کی محبت پائیدار نہیں ہوتی، بھلا مجھے کیا ضرورت پڑی ہے حسد کرنے کی؟ اور بالفرض حسد ہو بھی تو یہ ریچھ کی محبت سے بہتر ہے کہ میں آدمی ہوں، ریچھ کو بھگا دے اور مجھے اپنا رفیق بنالے، میں ہر ممکن خدمت بجالانے کو تیار ہوں، اب بھی کہتا ہوں کہ ریچھ کا ساتھ چھوڑ دے، میرا دل ڈرتا ہے کہ تیری اس کی یاری کا نتیجہ برا نکلے گا، یہ وہم نہیں، میں مؤمن ہوں اور مومن خدا کے نور سے دیکھتا ہے، دیکھ، اس آتش کدے سے دور رہ۔

غرض اس شریف النفس راہ گیر نے پہلوان کو ہر چند برا بھلا سمجھایا، لیکن اس کے کان پر جوں تک نہ رینگی، سچ ہے کہ بدگمانی انسان کی عقل و خرد کے آگے دیوار بن کر کھڑی ہو جاتی ہے، راہ گیر نے آخر میں کہا، اچھا بھائی! ہم نے تجھے نیک و بد خوب سمجھا دیا، اب تو مان نہ مان، خدا تیرا حافظ و نگہبان ہو۔

پہلوان نے دُرشتی سے کہا، یہاں سے چلتا بن، بڑا آیا میرا خیر خواہ اور ہمدرد بن کر، جان نہ پہچان بڑی خالہ سلام، راہ گیر نے چلتے چلتے پھر کہا، میری بات مان لے،

دیکھ خدا جانتا ہے میں تیرا دشمن نہیں ہوں، تیری بھلائی اسی میں ہے کہ ریچھ کو چلتا کردے۔

پہلوان نے ناراض ہو کر کہا ،کیا بک بک لگار کھی ہے؟ میرا پیچھا چھوڑ اور اپنا راستہ ناپ، خبر دار جو اب اِدھر آیا،ہائے افسوس! وہ پہلوان کس قدر احمق اور بدگمان تھا، اس نے اپنی بدگمانی اور گدھے پن کے سبب دور اندیش ناصح پر حسد کی تہمت لگائی اور ریچھ کو محبت اور وفا کا نشان سمجھا، جب اس مردِ مومن نے دیکھا کہ بے وقوف پر کوئی نصیحت کار گر نہیں ہوتی تو لاحول پڑھتا ہوا وہاں سے رخصت ہوا اور جی میں کہا کہ میں نے اِتمام حجت کردی، اسے نیک وبد اچھی طرح بتا دیا، اب بھی نہ مانے تو اپنی بربادی کا خود ذمے دار ہے، ایسے لوگوں سے پرے ہٹ جانا ہی بہتر ہے۔

اِدھر پہلوان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں کے اثر سے بند ہونے لگیں اور چند لمحے بعد وہ خراٹے لینے لگا، ریچھ قریب بیٹھا مکھیاں اڑاتا رہا، لیکن مکھیاں بار بار آنے لگیں اور انہیں اڑاتے اڑاتے تنگ آگیا، آخر کار وہ طیش میں آکر اٹھا اور دوڑا دوڑا ایک پہاڑی ٹیلے کی طرف گیا، وہاں سے بڑا سا پتھر اٹھا کر لایا اس دوران بے شمار مکھیاں پہلوان کے منہ پر بھنبھنا رہی تھیں، ریچھ نے وہ بھاری پتھر پہلوان کے منہ پر دے مارا، اپنی دانست میں اس نے یہ پتھر مکھیوں پر مارا تھا لیکن بدنصیب پہلوان کا منہ چٹنی بن گیا، سچ ہے، نادان کی دوستی ایسی ہی ہوتی ہے، اس کی دشمنی، دوستی اور دوستی، عین دشمنی، خدا ایسی محبت سے محفوظ رکھے۔

میں نے دفتر کے باہر بورڈ آویزاں کر رکھا تھا، جس پر تحریر تھا: ''ملاقاتی ہر سوموار اور جمعرات کو صبح ۹ بجے سے ۱۲ تک بلا روک ٹوک تشریف لا سکتے ہیں''۔

ایک روز ایک مفلوک الحال بڑھیا آئی، رو رو کر بولی کہ میری چند بیگھے زمین کی منتقلی کے لئے پٹواری رشوت کے بغیر کام کرنے سے انکاری ہے۔ تین چار برسوں سے دھکے کھا رہی ہوں، لیکن کہیں شنوائی نہیں ہوئی۔ اس کی دردناک بپتا سن کر میں نے اسے گاڑی میں بٹھایا اور جھنگ شہر سے ۶۰-۷۰ میل دور اس گاؤں کے پٹواری کو جا پکڑا، ڈپٹی کمشنر کو اپنے گاؤں میں دیکھ کر بہت سے لوگ جمع ہو گئے، پٹواری نے

سب کے سامنے قسم کھائی، یہ بڑھیا بڑی شر انگیز ہے اور جھوٹی شکایتیں کرنے کی عادی ہے، تصدیق کے لیے پٹواری نے مقدس کتاب کی قسم کھائی ،ایک نوجوان نے مسکرا کر کہا: ''جناب ذرا یہ بستہ کھول کر بھی دیکھ لیں''، ہم نے بستہ کھولا تو اس میں پٹوار خانے کے رجسٹر بندھے ہوئے تھے، میرے حکم پر پٹواری بھاگ کر ایک اور رجسٹر اٹھالایا اور سر جھکا کر بڑھیا کی اراضی کا انتقال کر دیا، میں نے بڑھیا سے کہا: ''لو بی بی تمہارا کام ہو گیا، اب خوش رہو''۔

بڑھیا کو میری بات کا یقین نہ آیا اور پاس کھڑے نمبر دار سے کہا: ''سچ مچ میرا کام ہو گیا ہے ؟''۔

نمبر دار نے تصدیق کی تو بڑھیا کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکل آئے، اس کے دوپٹے کے ایک کونے میں کچھ ریزگاری بندھی ہوئی تھی اس نے اسے کھول کر سولہ آنے گن کر اپنی مٹھی میں لیے اور اپنی دانست میں نظر بچا کر چپکے سے میری جیب میں ڈال دیئے۔

اس ادائے معصومانہ اور محبوبانہ پر مجھے بے اختیار رونا آگیا، کئی دوسرے لوگ بھی آب دیدہ ہو گئے، یہ ''سولہ آنے واحد رشوت'' ہے، جو میں نے اپنی ساری ملازمت کے دوران قبول کی، اگر مجھے سونے کا پہاڑ بھی مل جاتا تو میری نظروں میں ان سولہ آنوں کے سامنے اس کی کوئی قدر و قیمت نہ ہوتی، میں نے ان آنوں کو آج تک خرچ نہیں کیا کیوں کہ میرا گمان ہے کہ یہ ایک متبرک تحفہ ہے جس نے مجھے ہمیشہ کے لئے مالا مال کر دیا۔(شہاب نامہ)

وہ حبشی تھا، غلام تھا، معاشرے میں کوئی حیثیت نہیں تھی، آقا جو حکم دیتا، بجالاتا، ذراسی کوتاہی ہوتی، تو جسم پر کوڑے برسائے جاتے، مارا جاتا، پیٹا جاتا، لیکن پھر دامنِ اسلام میں پناہ لی، حضور نبی کریم ﷺ کے قریبی لوگوں میں شمار ہونے لگا، اذان کے ذریعے لوگوں کو مسجد بلانے کا آغاز ہوا، تو یہ اہم ذمہ داری اسی شخص کے سپرد کی گئی، حضرت عمر فاروقؓ جیسے جلیل القدر صحابی انہیں ''میرے سردار'' پکارتے، حضرت ابو بکر صدیقؓ نے انہیں اپنا داماد بنادیا، عرب کے بہت اچھے خاندانوں میں دیگر شادیاں کیں۔

یقیناًآپ سمجھ گئے ہوں گے میری مراد کون ہیں؟ حضرت بلالؓ، آج بھی جن کا نام لیتے ہوئے ہمارے سر احترام سے جھک جاتے ہیں، ایک وہ سیاہ فام تھے، جبکہ دوسری طرف آج کی ۲۱ویں صدی کا ایک واقعہ آپ کو یاد دلاتی ہوں۔ ۲۵ مئی ۲۰۲۰ ایک سیاہ فام جارج فلوئیڈ جس کی عمر ۴۶ کے لگ بھگ تھی، ایک سفید فام پولیس والے کے ہاتھوں بے دردی سے مارا گیا، جس نے تقریباً ۹ منٹ تک جارج کی گردن کو گھٹنے سے دبائے رکھا اور وہ معصوم دہائیاں دیتا رہا کہ ''میں سانس نہیں لے پارہا''

اس پر مختلف مقامات پر مختلف طریقوں سے بے بنیاد الزامات بھی عائد کیے گئے، پولیس کی بربریت اور متحدہ ریاست امریکا میں اس پر احتجاج ہوا۔

یہ سیاہ و سفید کی انسانی تجارت امریکی سرپرستی میں سترہویں صدی میں پھلنے پھولنے لگی، امریکا میں سب سے پہلے آباد ہونے والے ''ریڈ انڈینز'' تھے جو بڑے پرامن طریقے سے زندگیاں بسر کر رہے تھے، ۱۴۹۲ء کو کولمبس کا جہاز امریکا کے ساحلوں پر اترا اور بہت سی اقوام کے چوروں، لٹیروں، ڈاکوؤں اور جرائم پیشہ افراد کو امریکا کی شکل میں پناہ گاہ میسر آئی، پہلی بار سیاہ فام کی نسل پرستی ''ٹیکااوک'' کے علاقے میں ہوئی جہاں پر پورا ''اوٹومی'' قبیلہ بوڑھوں، عورتوں اور بچوں سمیت موت کے گھاٹ اتار دیا گیا، یوں علاقوں پر علاقے فتح ہوئے اور قبیلے صفحہ ہستی سے مٹتے رہے، آج بھی پورے امریکا میں ''ریڈ انڈینز'' کی ۵۰۰ سے زیادہ آبادیاں ہیں، جنہیں reservations کہا جاتا ہے۔

سولہویں صدی کا امریکا ''ریڈ انڈینز'' کے قتل عام اور نسل کشی کا امریکا تھا، جس کولمبس کو امریکا کا ہیرو بنا کر پیش کیا جاتا ہے، اسی کی سرپرستی میں ۵ لاکھ ریڈ انڈینز کو قتل کیا گیا، مقامی آبادی کا قتل اور انسانی تجارت 4 سو سال تک چلتی رہی۔

۱۶۶۱ میں پہلا قانون بنا جس میں کوئی گورا کالے سے اور کالا گورے سے شادی نہیں کر سکتا اور جو کوئی اس حرکت کا مرتکب ہوا سزا کا حقدار ٹھہرایا جائے گا، یہ قانون ۲۱ ریاستوں میں فوراً لاگو ہوا، ان بے چارے امریکی سیاہ فام غلاموں کا قتل اور امریکا کے ساحلوں تک کا سفر دردناک اور المناک کہانیوں سے عبارت ہے، انہیں بحری جہازوں کے ایسے کیبنوں میں رکھا جاتا جن کی چھت صرف ڈھائی فٹ اونچی ہوتی، خوف، بیماری اور گھٹن سے جو مر جاتا، اسے سمندر برد کر دیتے۔ ۱۹۷۳ء میں

ایک آئین fugitive slave act پاس کیا گیا، جس میں غلام کو بھگانا یا فرار کرنا جرم قرار پایا، یہ قانون اس لیے منظور کیا گیا کیونکہ سیاہ فاموں میں بغاوت کی چنگاریاں سلگنے لگی تھیں، اس بغاوت کا پہلا علمبردار Nat Turner تھا، جس کی ماں ایک افریقی غلام تھی جسے گوروں نے زیادتی کا نشانہ بناڈالا تھا۔

ڈیڑھ سو سال سے سیاہ فام افراد سے نفرت کی آگ امریکی معاشرت، تہذیب اور زندگی کے دیگر معاملات میں مسلسل سلگ رہی ہے، چند سال بعد کسی سیاہ فام کی موت کی صورت میں رونما ہوتی رہتی ہے، ٹھیک ۱۴۰ سال بعد ۷۵ فیصد گوری اکثریت نے ڈونلڈ ٹرمپ کو ووٹ دے کر ایک بار پھر امریکا کو اسی طرح فتح کر لیا جیسے ۱۴۹۲ء میں کولمبس کی سربراہی میں فتح کیا تھا، فرق صرف یہ تھا کہ اس وقت بندوق استعمال ہوئی اور اس دفعہ ووٹ۔

لیکن وقت ایک سا نہیں رہتا، ہلکی ہلکی ہوا سلگتی چنگاری کو آگ بناتی ہے اور سب خاکستر کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے، جارج بھی وہی سلگتی چنگاری ثابت ہو رہا ہے، خود تو مارا گیا لیکن ایک راستہ دکھا گیا، نسل پرستی کو ختم کرنے کا اور سب کو ایک ہونے کا، کینیڈا میں بھی نسل پرستی کے خلاف ریلیاں نکالی گئیں، جس میں وزیراعظم جسٹن ٹروڈو نے اچانک شرکت کر کے لوگوں کے دل جیت لیے، انہوں نے اس موقع پر گھٹنے زمین پر ٹیکے اور ریلی کے لوگوں کو خراج تحسین پیش کیا۔

ایران کے سپریم لیڈر خامنہ ای کا کہنا ہے کہ سیاہ فام جارج کا قتل دراصل امریکا کا ہولناک اور مکروہ چہرہ ہے، خطاب کے دوران ان کا کہنا تھا کہ امریکا میں جاری مظاہروں میں ''میں سانس نہیں لے پارہا'' سب لوگوں کا نعرہ بن گیا، آج ہم امریکا میں جو کچھ ہوتا دیکھ رہے ہیں وہ ان حقائق کی عکاسی کرتا ہے جو ہمیشہ سے چھپے ہوئے

تھے، ان گوروں نے افغانستان، عراق، شام، ویتنام اور دوسرے بہت سے ممالک کے ساتھ یہی کیا، ان ریلیوں میں موجود مظاہرین کے خلاف حکومتی کارروائیوں کی دھمکیاں بھی دی گئیں لیکن مظاہرین کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی۔

معروف کھلاڑی ڈیرن سیمی بھی اس قتل پر سخت رنجیدہ دکھائی دیئے اور کہا کہ اب خاموش رہنے کا وقت گزر چکا، سیاہ فام عرصے سے ان سب حالات کو برداشت کررہے ہیں، اب اور نہیں جارج کے اس غیر انسانی قتل کو دیکھ کر دل خون کے آنسو روتا ہے۔

توجناب! یہ انسانی حقوق کے وہ علمبردار ہیں جنہوں نے بس مرضی کے لوگوں کو تحفظ دینے کا علم اٹھایا ہے، فلسطین، کشمیر، شام، برما اور بہت سے ایسے مظلوم جوان سب کی سفاکیت کا روز نشانہ بن رہے ہیں، ارے اس دور جدید کے ٹیکنالوجی یافتہ اور نام کا درد دل رکھنے والو! آؤ تم لوگوں کو ۱۴۰۰ سال پیچھے لے کر چلوں! جب اسلام مکمل ہونے پر آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا کسی گورے کو کالے پر اور کالے کو گورے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں۔

اللہ کی نظروں میں سب برابر ہیں، کوئی بڑا اور چھوٹا نہیں، ہمارے ہاں ذات پات کی کوئی گنجائش نہیں، ہمارے ہاں کسی کو نیچا یا اعلیٰ وارفع تصور نہیں کیا جاتا، اسلام نے تمام قوموں اور لوگوں کو برابر کہا ہے، ہمارا دین تاکید کرتا ہے کہ ایک قوم دوسری قوم کو حقیر جان کر اسے تضحیک کا نشانہ نہ بنائے، کیا عجب وہ ان سے بہتر ہو، ہمارا دین خدائے واحد، خالق کون ومکاں پروردگار عالم پر یقین رکھتا ہے، اعلیٰ وہی ہے جو متقی ہو، اللہ سے ڈرنے والا ہو، انسانوں کے حقوق کا خیال رکھتا ہو۔

پیر طریقت رہبر شریعت

مولانا پیر عزیز الرحمٰن ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ

پیر طریقت، رہبر شریعت، عالم ربانی، راہنمائے حقانی، جید عالم دین، متصلب فی الدین، علم و عمل کے پیکر و مجسمہ حضرت مولانا پیر عزیز الرحمٰن ہزاروی اپنے خالق حقیقی سے جا ملے، اناللہ وانا الیہ راجعون

میرا تعلق حضرت ہزارویؒ سے اس زمانے کا ہے جب میں قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسینؒ اور خطیب اہل سنت حضرت مولانا قاضی عبداللطیف جہلمیؒ کی زیر نگرانی جامعہ حنفیہ تعلیم الاسلام جہلم میں زیر تعلیم تھا، جامعہ حنفیہ تعلیم کے ساتھ ساتھ اصلاح عقائد و نظریات پر بڑی محنت کرتا تھا، اسی سلسہ میں مختلف گاؤں، دیہات اور قصبہ جات میں سالانہ جلسے ہوتے تھے، اور بامقصد جلسے ہوتے تھے، ان میں مرکزی پروگرام تین ہوتے تھے، ایک چکوال کی مدنی جامع مسجد میں بارہ ربیع الاول کو، ایک جامعہ حنفیہ تعلیم الاسلام کا تین روزہ سالانہ جلسہ اور ایک بھیں ضلع چکوال کی سنی کانفرنس، ان پروگراموں میں حضرت پیر عزیز الرحمٰن ہزاروی تشریف لاتے تھے اور اپنے مافی الضمیر کا کھل کر اظہار کرتے تھے، وہ ان جلسوں میں قافلہ کی شکل میں شریک ہوتے تھے۔

چکوال اور جہلم کے ان روحانی بزرگوں کے ساتھ حضرت پیر عزیزالرحمان ہزارویؒ کی مولانا غلام غوث ہزاری کی نسبت سے بڑی گہری دوستی اور عقیدت و محبت کا تعلق تھا، جانبین سے یہ بزرگ ایک دوسرے کاادب واحترام کرتے اور ایک دوسرے سے مشاورت کرتے تھے، حضرت غلام غوث ہزارویؒ کے سانحہ رحلت کے بعد پیر عزیزالرحمٰن صاحب ان بزرگوں کے ساتھ مل کر دین کا کام کرتے رہے اور ایک لمبے عرصہ تک ساتھ نبھاتے رہے۔۔

حضرت پیر عزیزالرحمٰن ہزارویؒ عقائد و نظریات کی اصلاح میں پیش پیش رہتے تھے، وہ عقائد کی اصلاح اور قرآن وسنت کی بالادستی اور قیام کے لیے ایک عرصہ تک جمعیت علماء اسلام کے پلیٹ فارم سے سرگرم عمل رہے، جمعیت علماء اسلام کے ترجمان رسالہ الجمعیت کے مدیر مسؤل بھی حضرت ہزاروی کے ہی تھے، اس رسالے کا ڈیکلریشن اور حکومتی اجازت نامہ مولانا غلام غوث ہزارویؒ نے پیر عزیزالرحمٰن صاحبؒ کے نام کروایا تھا، اس رسالے کا اداریہ حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ خود لکھتے تھے، اس رسالہ میں پیر عزیزالرحمٰن صاحبؒ کے مضامین بھی شامل اشاعت ہوتے تھے، آج والا الجمعیۃ اسی پرانے الجمعیۃ کا تسلسل ہے۔

پھر سیاسی سرگرمیاں کم کرتے ہوئے عقائد و نظریات کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوئے، جہاں کہیں کوئی شخص مسلمانوں کے عقائد اور نظریات بگاڑنے اور فساد فی الامت کا باعث بنتا پیر صاحب تیغ بے نیام بن کر میدان عمل میں اترآتے تھے، وہ بلاخوف لومۃ لائم اصلاح عقائد پر کام کرتے تھے، اس سلسلہ میں مختلف مقامات پر بیانات کرتے، تحریریں لکھتے یا پھر لکھی ہوئی کتاب خطیر رقم سے خرید کر لوگوں میں تقسیم کرتے اور اس فتنہ سے لوگوں کو آگاہ کرتے تھے۔

میری زمانہ طالب علمی میں ہی پیر صاحب کی کاوشوں سے دو بھائی (مودودی اور خمینی) زیور طباعت سے آراستہ ہو کر منصہ شہود پر جلوہ گر ہوئی تھی، اس کتاب میں باقی خوبیاں تو بے شمار ہیں مگر سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ دلائل و براہین اور حوالہ جات کے ساتھ انہوں نے ثابت کیا کہ ایرانی انقلاب اور مودودی افکار اور نظریات میں بڑی حد تک مماثلت ہے۔

دو بھائی نامی کتاب میں مودودی صاحب اور خمینی کی کتابوں کے ہی حوالے من و عن پیش نہیں کیے بلکہ ان کی سر گرمیوں کی پرنٹ میڈیا کے اصل تراشوں کے ساتھ خبر لی، جو آج بھی ارباب علم و قلم کے پاس ایک سند اور دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے، ہمارے حضرت مولانا عبداللطیف جہلمیؒ کے دفتر میں بڑی تعداد میں یہ کتاب رکھی ہوتی تھی، ہر آنے والے کو بطور تحفہ پیش کرتے تھے۔

اسی طرح روافض کے عقائد و نظریات پر خوب کھل کر بات کرتے تھے، انہوں نے مجلس تحفظ اسلام کے نام سے ایک تنظیم قائم کی تھی، جس کے تحت ایسی کتابیں شائع کی جاتی تھیں جن میں آستین کے سانپوں کے سر کچلے جاتے تھے اور انہیں بے نقاب کیا جاتا تھا، بعد ازاں اس تنظیم کو سرکار کی طرف سے واچ لسٹ میں شامل کیا گیا، پھر بندہ راقم الحروف (حدوٹی) نے ۲۰۰۵ء میں دوبارہ سے اس تنظیم کی داغ بیل ڈالی، پھر کچھ عرصہ بعد دوستوں کی فرمائش پر اس کے شروع سے مجلس کا لفظ ہٹا کر جمعیت کر دیا، جو اب بھی الحمدللہ کسی نہ کسی درجہ میں تحفظ اسلام کا کام سر انجام دے رہی ہے، جمعیت تحفظ اسلام کا ترجمان صدائے جمعیت بھی گزشتہ پانچ سالوں سے زیور طباعت سے پیراستہ ہو کر دعوت اسلام عام کر رہا ہے، اللہ تعالیٰ جل شانہ ہماری ان تحریکی اور دینی سر گرمیوں کو قبول اور منظور فرمائے۔آمین

جہلم میں زمانہ طالب علمی میں حضرت پیر ہزاروی صاحبؒ کے نام سے شناسائی ہوئی، پھر باضابطہ ان کا دیدار اس وقت ہوا جب ہم ان کی مسجد صدیق اکبر ویسٹر تج پہنچے، ملاقات کرنے والوں میں راقم الحروف، مولانا محمد الیاس فاروقی اور کچھ اور لوگ بھی تھے، اس ملاقات میں حضرت کا نہ صرف دیدار ہوا بلکہ حضرت کی مجلس ذکر میں بھی بیٹھنے کی سعادت ملی۔

حضرت لمبے جبے اور سبز عمامے میں ملبوس تھے، سبز عمامہ اور سیاہ ریش سبحان اللہ بہت جاذب دل و نگاہ، پھر روحانی تجلیات رخ تاباں سے ہویدا، مسجد میں ایک لمبا دستر خوان بچھادیا گیا، جس پر کھجور کی گھٹلیاں انڈیل دی گئیں، مجھے درست سے یاد نہیں کہ کتنی ہزار بار ہم نے درود شریف اور باقی وظائف حضرت پیر صاحب کے کہنے پر کیے، اللہ قبول فرمائے۔

پھر میں جامعہ اشرفیہ لاہور آگیا، جہاں دورہ حدیث شریف مکمل کیا، ۱۹۹۰ء میں فراغت کے بعد میں ایک بار پھر چوہڑ پہنچا، جہاں حضرت پیر ہزاروی کے دستِ حق پرست پر بیعت کی، حضرت سے اوراد و وظائف لیے اور لاہور کی راہ لی، مگر میں بہت دیر تک حضرت سے یہ روحانی سلسلہ قائم نہیں رکھ سکا، میرے لیے لاہور سے باقاعدگی کے ساتھ راولپنڈی آنا مشکل تھا، اس لیے یہ سلسلہ بوجوہ آگے نہ چل سکا۔

ایک بار ہمیں پتہ چلا کہ حضرت پیر صاحب چوبرجی میں حافظ صغیر صاحب مرحوم کے ہاں تشریف لائے ہوئے ہیں، سردی کا موسم تھا، ہم زیارت کے لیے حاضر ہوئے، حضرت نے بہت ہی پیار اور شفقت سے ہمیں نصائح فرمائیں، اسی دوران اصلاح عقائد و نظریات پر بات چیت کرتے ہوئے انہوں نے ہمیں جمعیت علماء اسلام پاکستان کے مرکزی راہنما مولانا محمد خان شیرانی صاحب کی ایک کیسٹ سنائی

جس میں شیرانی صاحب یہ فرمارہے تھے کہ جو علماء کرام ایرانی انقلاب کے بانی امام خمینی کی کتابوں پراعتراض کرتے ہیں اوران کی طرف صحابہ کرام کی گستاخی کی نسبت کرتے ہیں انہوں نے خمینی کی کتابیں پڑھی ہی نہیں ہیں اور نہ ہی ان علماء کو خمینی کی کتابیں سمجھ میں آتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ خمینی پر اعتراضات کرتے ہیں۔

یہی وہ موقع تھا کہ ہم مولانا شیرانی صاحب کے بارے میں عقیدت ومحبت کے جذبات نہ رکھ سکے بلکہ ان کے بارے میں ہمارے خیالات تبدیل ہوئے، میں نے اپنی کتاب داستان امیر عزیمت میں شیرانی صاحب کوایرانی ایجنٹ اسی کیسٹ کو سننے کے بعد لکھا تھا،آج تک صرف اس بنیاد پر شیرانی صاحب سے ہاتھ تک نہیں ملایا، شیرانی صاحب کی کسی مجلس میں نہیں بیٹھا کہ انہوں نے گستاخ صحابہ ،اسلام دشمن شخص کی اس طرح حمایت کی ہے،حالانکہ شیرانی صاحب کوجمعیت علماءاسلام کا بابا کہاجاتا ہے اوران کی رائے کوبڑی اہمیت دی جاتی ہے،ان کی رائے کاجمعیت کے حلقوں میں بڑااحترام پایاجاتاہے،بلوچستان میں شیرانی صاحب کاایک زمانہ تک طوطی بولتارہا،پھران کاستارہ گردش میں آگیاکہ انہوں نے مولانافضل الرحمٰن صاحب کے مقابلے میں امارت کاالیکشن لڑا،جس کے بعد منظر کافی حد تک تبدیل ہوگیا۔

جیساکہ میں نے اوپر ذکر کیا کہ حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ کے سانحہ ارتحال کے بعد پیرعزیزالرحمٰن صاحبؒ نے اپناتعلق تحریک خدام اہل سنت والجماعت کے ساتھ جوڑلیاتھا، خدام اہل سنت والجماعت کی قیادت حضرت سید حسین احمد مدنیؒ کے خلیفہ مجاز اور شاگرد رشید حضرت قاضی مظہر حسین صاحب کررہے تھے، پیر صاحبؒ خدام اہل سنت کے جلسوں میں باقاعدگی سے شریک ہوتے اور خدام اہلسنت کے مشن کوعام کرنے میں شبانہ روز سرگرمیاں بروئے

کارلاتے تھے۔

خدام اہل سنت والجماعت کی پہچان نعرہ خلافت راشدہ حق چار یار ہے، جس میں خلفاء اربعہ حضرت سیدنا ابو بکر صدیقؓ، حضرت سیدنا عمر فاروقؓ، حضرت سیدنا عثمان غنیؓ، حضرت سیدنا علی المرتضیٰؓ کی علی منہاج النبوۃ خلافتوں کا بر سر عام اعلان و پرچار کیا جاتا ہے، اسی نسبت سے تحریک نے رسالہ ماہ نامہ حق چار یار نکالا، جو جماعتی ترجمان اور آرگن ہے، پیر عزیزالرحمٰن صاحبؒ نے اس رسالے کو اپنے مریدین کے حلقے میں پھیلایا اور سرپرستی فرمائی۔

چلتے چلتے پیر عزیزالرحمٰن صاحب کا رجحان سعودی عرب میں مقیم محمد مالکی کی طرف ہو گیا، پیر صاحب ان کے خیالات اور افکار کو درست سمجھنے لگے، جب کہ دوسرے اکابرین بشمول قاضی مظہر حسین صاحبؒ کو محمد مالکی صاحب کے افکار اور نظریات پر سخت تحفظات تھے، اسی لیے حضرت قاضی صاحبؒ نے اپنے رسالہ حق چار یار میں کئی ماہ تک پابندی سے محمد مالکی کے افکار و نظریات کو طشت از بام کیا اور اس ضمن میں حضرت پیر عزیزالرحمٰن ہزاریؒ بھی ہدف بن گئے اور حضرت قاضی صاحب نے پیر ہزاروی صاحبؒ کی دوستی، تعلق خاطری، عقیدت، پیار اور محبت پر افکار و نظریات کو ترجیح دی اور ماہ نامہ حق چار یار میں جو کچھ لکھنا تھا وہ علی وجہ البصیرت لکھ دیا، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت پیر عزیزالرحمٰن ہزارویؒ نے محمد مالکی کے افکار و خیالات سے رجوع کر لیا، اپنے مؤقف سے دستبردار ہو گئے، اس پر قضیہ کا خاتمہ نامی رسالہ بھی موجود ہے، جس میں سب کچھ لکھ دیا گیا ہے، اس رجوع پر مفتی نظام الدین شامزی شہید، مولانا اعظم طارق شہید، قاضی زاہد الحسینیؒ، ڈاکٹر مفتی شیر علی شاہؒ، مولانا خواجہ خان محمدؒ، مولانا مفتی تقی عثمانی، مولانا محمد احمد اور دیگر بہت

سے اکابرین ملت نے مسرت و شادمانی کا اظہار کیا۔ الحمدللہ

مگر افسوس اور صد افسوس کہ ساون کی رم جھم میں جھاڑیوں سے نمودار ہونے والی ٹراتی مینڈکوں نے پھر بھی پیر ہزارویؒ کو نہیں بخشا، وہ پیر صاحبؒ پر نت نئے فتوے لگاتے اور اپنی روسیاہی کا اظہار کرتے گئے، ایک حرماں نصیب نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ پیر ہزارویؒ کو پہلے مسلمان ثابت کیا جائے، ان کے طریقہ مجلس ذکر پر بے جا اعتراضات لگا کر ان کی خوبصورت شخصیت کو داغدار کرنے کی ناپاک کوشش کی گئی، کچھ ظالموں نے پیر صاحبؒ کو دنیا سے جانے کے بعد بھی اپنی شیطانی بولیوں کا نشانہ بنانے میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کیا۔

اس تنازعہ کے بعد انسان ہونے کے ناطے وہ رسم وراہ باقی نہ رہی، جلسوں میں آمد و رفت کا سلسلہ موقوف ہو گیا، اس مضبوط تعلق خاطری میں دراڑیں پڑ گئیں، مگر جانبین سے کہیں بھی کسی بھی موقع پر توہین آمیز رویہ روا نہیں رکھا گیا۔

حضرت قاضی مظہر حسینؒ کو اپنی آخری عمر میں ایک کیس میں گرفتار کر لیا گیا تھا، اسی دوران ہڈیالہ جیل میں ان کی طبیعت خراب ہو گئی، جس پر حضرت مرحوم کو پمز ہسپتال اسلام آباد میں داخل کروایا گیا، ناراضگی کے باوجود پیر ہزاروی بڑی بڑی سفارشیں کروا کر حضرت قاضی صاحبؒ سے ملاقات کرنے جایا کرتے تھے، پمز ہسپتال میں دوران علاج ہزاروی صاحبؒ کی فیملی کے لوگ حضرتؒ کی تیمارداری کے لیے تشریف لاتے رہے، حضرت قاضی صاحبؒ کی اہلیہ کی وفات پر جنازہ میں شرکت کی، پھر اس کے بعد جب حضرت قاضی صاحبؒ خود اس دارِ فانی کو چھوڑ کر عالم جاودانی کی سمت روانہ ہوئے تو حضرت ہزارویؒ نے دکھ اور صدمے کا اظہار کیا اور حضرتؒ کے جنازے میں شرکت کے لیے تشریف لے گئے۔

حضرت قاضی صاحب نے حق چار یار رسالے میں کئی ماہ تک مسلسل حضرت ہزارویؒ، محمد مالکی کی خبر لی، اس دوران کئی لوگ حضرت ہزارویؒ کو اکساتے رہے کہ وہ بھی جوابی تحریریں لکھیں، رسالہ شائع کریں، قاضی صاحبؒ کے مضامین کا جواب لکھیں مگر حضرت ہزاروی زیر لب مسکرانے اور خاموشی سے اس قضیہ کو برداشت کرتے رہے، کوئی جواب لکھنا تو درکنار سوچا بھی نہیں۔

حضرت پیر عزیز الرحمٰن ہزارویؒ کو اللہ نے بڑی صفات سے نوازا ہوا تھا، وہ اکابر کے حبدار تھے، عقیدت کا دم بھرتے تھے، ان کی محبت میں ریجھے ہوئے تھے، جہاں اکابر کی عقیدت و محبت ان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی وہاں اصاغر نواز بھی تھے، ساری دینی جماعتوں کی سرپرستی کرتے تھے، ناموس صحابہؓ ہو، ختم نبوت ہو، توحید و سنت کی آبیاری ہو، ہر کسی کو اپنا سمجھتے ہوئے رہنمائی اور راہبری کرتے تھے۔

اعلاء کلمۃ اللہ کی خاطر وہ سب سے پیش پیش رہتے تھے، حکمرانوں کی طرف سے دین اسلام اور اہل اسلام کے ساتھ کی جانے والی زیادتیوں کا جواب بھی دیتے تھے، ان کا رسالہ ماہنامہ "زکریا" اس پر گواہ ہے، رسالہ کے ادارتی شذرے اس پر گواہ ہیں کہ وہ بلاخوف لومۃ لائم، بے خوف اور نڈر ہو کر حکمرانوں کی اسلام دشمنیوں کی خبر لیتے تھے۔

لیبیا کے سابق صدر کرنل معمر القذافی کی زیر سرپرستی کام کرنے والی جمعیت الدعوۃ الاسلامیہ العالمیہ نے اس زمانے میں خوب احیاء اسلام اور ناموس رسالت کے تحفظ پر کام کیا جب یورپی ممالک کے کچھ تیرہ بخت و تاریک خیالات کے حاملین نے ہمارے پیارے نبی ﷺ کے خاکے بنائے اور توہین کی، اس زمانے میں ہمیں لیبیا جانا ہوا، حضرت ہزاروی بھی اسی قافلہ حریت پسنداں میں تھے، اس دوران مجھے

حضرت ہزاروی کی خدمت کا موقع ملا، اس دوران حضرت کی شخصیت میرے سامنے کھل کر آئی، میں نے انہیں باقاعدگی سے تہجد گزاری کرتے دیکھا، نوافل کا اہتمام اس عالم سفر میں بھی خوب تھا، زبان ذکر اللہ سے تر رہتی تھی۔

نماز کا وقت آیا تو ہم نے جہاز کے عملے سے بات کی، مگر انہوں نے ہمیں نماز کی اجازت دینے میں ٹال مٹول سے کام لیا، حضرت ہزارویؒ کی جرأت کو داد دینا چاہیے کہ کسی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے آگے بڑھے اور ہم نے وہاں تھوڑی سی خالی جگہ پر نماز باجماعت ادا کی، ان سفری احوال کا ذکر میں نے اپنے سفر ناموں "سفید سمندر کے ساحل تک "اور" تپتے صحرا" میں کر دیا ہے۔

میں نے اس سفر میں حضرت ہزارویؒ کی معیت کو غنیمت جانتے ہوئے ان سے ایک بہترین معلوماتی انٹرویو بھی کیا، جو میرے سفر نامے تپتے صحرا کے اندر موجود ہے، ان شاءاللہ پھر کسی فرصت میں اگر حضرت ہزارویؒ پر کچھ لکھنا پڑا تو اسی انٹرویو کی روشنی میں لکھوں گا۔

میں حضرت کے جنازے میں شریک نہیں ہو سکا، جس کا مجھے قلبی قلق ہے، مگر جنازے کی تصویریں فیس بک اور میڈیا پر دیکھیں تو دل باغ باغ ہو گیا کہ پاکستان کے اطراف واکناف سے اس کثیر تعداد میں لوگ جنازہ میں شریک ہوئے کہ ان کی گنتی کرنا مشکل ہے، ہر طرف انسانی سر ہی سر دکھائی دے رہے تھے، ہزاروں علماء اور قرآن کریم کے قاریوں نے ان کی نماز جنازہ میں شرکت کی اور پھر بعد میں ان کی تربت سے کئی روز تک خوشبو مہکتی رہی، یہ ان کی ولایت اور مقبول عنداللہ ہونے کی نشانی ہے، میں ان کے تمام صاحبزادگان سے دلی تعزیت کرتا ہوں۔ اللہ صبر دے۔

اسلام میں تفریح کا تصور

حافظ محمد اشفاق

(فاضل وفاق المدارس العربیہ، پی ایچ ڈی، لکچرر گفٹ یونیورسٹی گوجرانوالہ)

تفریح کا تصور ہر زمانے اور ہر قوم میں پایا جاتا ہے البتہ ہر قوم اپنی تہذیب وتمدن کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اس کا اہتمام کرتی رہی ہے، مثلا رقص ،ڈرامے، موسیقی، گانے اور مختلف طرح کے کھیل کود وغیرہ۔ اور کچھ اقوام میں تو تفریح کے ان مظاہر کو مذہبی حیثیت بھی حاصل ہے اور کچھ اقوام میں اس کا تعلق صرف ثقافت سے ہے۔

لیکن عصر حاضر میں نت نئی ایجادات نے تفریح کا تصور بالکل ہی تبدیل کر دیا ہے۔ عمومی طور پر زمانہ ماضی میں تفریح کا تصور جسمانی تربیت ونشوونما کے ساتھ وابستہ تھا اور بغور جائزہ لیا جائے تو زمانہ ماضی میں تفریح و کھیل کے جتنے بھی مظاہر تھے ان سب میں یہی پہلو اجاگر تھا، یہاں تک کہ گھریلو خواتین کے کھیل بھی اسی نوعیت سے تعلق رکھتے تھے اس کے بالکل برخلاف جدید ایجادات جیسے ڈش، کیبل، ٹیلی ویژن، کمپیوٹر، انٹرنیٹ اور اسمارٹ موبائل فونز جن کو ذرائع ابلاغ بھی کہا جاتا ہے نے تفریح کے تصور کو بہت وسیع بنادیا ہے اور اس وسعت نے سب سے پہلے سابقہ تصور تفریح میں موجود اجتماعیت کو ختم کر دیا اور انفرادیت کو رائج کیا۔ اور المیہ تو یہ ہوا کہ ان وسائل کے ذریعہ پیش کیے جانے والے پروگرامز جس میں فلمیں، کارٹونز، کھیل، گانے، فیشن اور ٹی وی شو وغیرہ کو بھی تفریح کا نام دے دیا گیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اس وقت تہذیبی جنگ میدان میں یا اسلحے کے ساتھ نہیں لڑی جارہی بلکہ عقیدہ اور اخلاق کے میدان میں لڑی جارہی ہے اور تفریح کے نام پر غیر اسلامی تہذیب وثقافت کو فروغ دیا جارہا ہے۔

اسلام صرف عقائد کے باب میں میانہ روی یا اعتدال پرستی کے تعلق کا نام نہیں بلکہ تمام شعبہ حیات سے ہے اور اس کا یہی خاصہ بھی ہے، اور اس کی دوسری سب سے بڑی خوبی اس کے کسی بھی ضابطے کا تعلق غیر فطری یا غیر عقلی تصورات سے نہیں، یعنی کہیں بھی اس نے انسان کی

جائز ضروریات پر کوئی قدغن نہیں لگائی البتہ کچھ اصول و ضوابط کے ذریعے اس کی حد بندیاں ضرور کردیں تاکہ فساد بپا نہ ہو۔

اقوامِ یورپ کی طرح پوری زندگی کو کھیل کود بنادینا اور "زندگی برائے کھیل" کا نظریہ اسلام کے نقطہ نظر سے درست نہیں ہے، بلکہ آداب کی رعایت کرتے ہوئے، اخلاقی حدود میں رہ کر کھیل کود، زندہ دلی، خوش مزاجی اور تفریح کی نہ صرف یہ کہ اجازت ہے، بلکہ بعض اوقات چند مفید کھیلوں کی حوصلہ افزائی بھی کی گئی ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اسلام سستی اور کاہلی کو پسند نہیں کرتا، بلکہ چستی اور خوش طبعی کو پسند کرتا ہے۔

اس سے قبل کہ ہم اسلام کے تصورِ تفریح پر بات کریں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس عنوان کا تعارف کروادیا جائے۔

تفریح کیا ہے؟: تفریح کا لفظ دراصل عربی زبان کا لفظ ہے جو "فرح" سے مشتق ہے جس کے معنی گپ شپ، دل لگی، ہنسی مذاق، خوشی و مسرت، فرحت اور اطمینان وغیرہ حاصل کرنے کے آتے ہیں۔ فرح کے بارے میں علامہ ابن قیمؒ تحریر فرماتے ہیں: الفرح لذة تقع في القلب بإدراك المحبوببدائع التفسير۲،۳۸»

(کہ محبوب چیز کے پالینے سے جو لذت حاصل ہوتی ہے، اسی کو فرحت اور خوشی کہتے ہیں۔)

اگر یہ فرحت محض قلبی ہو اور احساس نعمت یعنی شکر گذاری سے تعبیر ہو اور اس کے فضل و کرم کے استحضار پر مبنی ہو تو وہ شرعاً مطلوب، مستحسن اور پسندیدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا (یونس ۱۰: ۵۸)

(آپ کہہ دیجیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور مہربانی سے ہے، تو چاہیے کہ وہ لوگ خوش ہوں۔)

(یہ مضمون صاحب قلم کی تحقیق ہے،
انشاءاللہ آئندہ قسط میں اگلا حصہ شامل ہوگا)